
شکیل انجم کی
قابوط سیریز
2
ڈاکٹر ڈیڈ
شکیل انجم



اور گھر کے ہر فرد کیلئے

ایڈونچر، جاسوسی اور سسپنس سے بھرپور

محمود، فرحانہ۔ ڈپو۔ انسپکٹر خورشید اور

قابوط سیریز ۲

ڈاکٹر ڈیڈ

شکیل انجم

قابوط سیریز کے

کردار

انسپکٹر خورشید مرزا ★ سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر اور ملک کے مشہور سراغرساں

محمود ★ انسپکٹر خورشید کا ذہین فرزند

فرحانہ ★ انسپکٹر خورشید کی ہونہار بیٹی

ڈپو ★ محمود اور فرحانہ کا دوست ایک انتہا؟ موٹا اور گول مٹول لڑکا۔ بیوقوف بھی چالاک بھی ایک قہقہہ آور شخصیت

اور



ایک نوجوان اور دلچسپ جن۔ جو سینکڑوں برس سے شیشے کے ایک صندوق میں قید تھا۔ محمود اور فرحانہ نے اسے آزاد کرادیا۔ تب وہ ان کا دوست بن گیا اور نت نئے ہنگاموں نے جنم لیا۔

واحد تقسیم کار
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی 1

اپنی بات

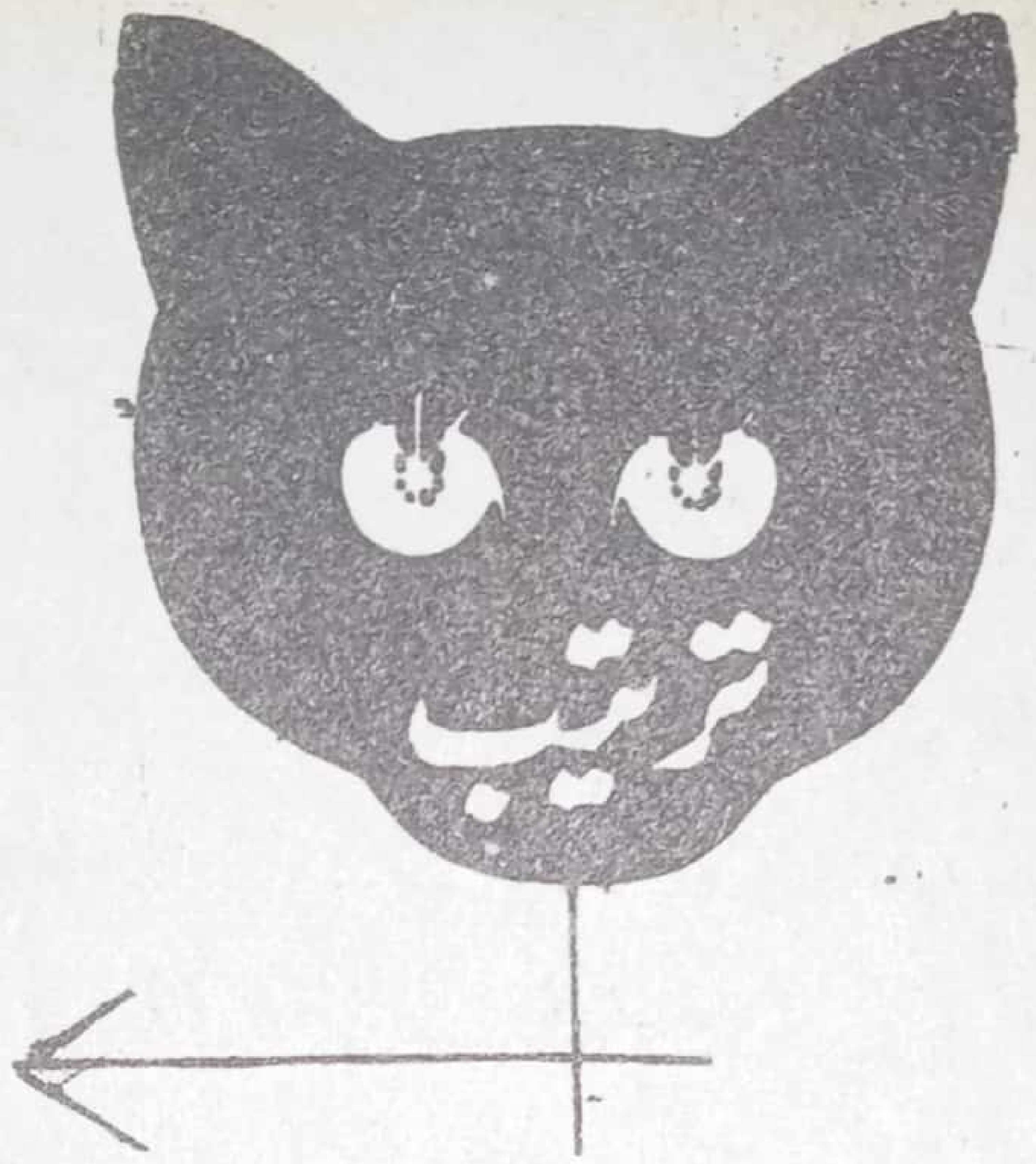
ساتھیو! شکیل انجم کا سلام قبول کیجیے۔

میں نے آپ کے لیے "قابوط سیریز" کے نام سے ناولوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ کرنل پرویز سیریز کے ساتھ اس سلسلے کی دو ناولیں ہر ماہ آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی رہیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ "قابوط سیریز" ایک تہلکہ خیز سلسلہ ہوگا جو مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ دے گا۔ سرورق دیکھ کر ہی آپ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی ہو گی۔ اس سلسلے کی پہلی ناول "آخری حربہ" آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ اب دوسری ناول ڈاکٹر ڈیڈ پڑھیے۔ نام پڑھ کر آپ یقیناً چونک گئے ہوں گے۔ اور جب ناول پڑھیں گے تو اُچھل اُچھل جائیں گے۔ "ڈاکٹر ڈیڈ" بلاشبہ اپنے نام ہی کی طرح ایک سفاک انسان تھا جو اپنے دشمنوں کے اعضاء کاٹ کر سڑک پر پھینک دیا کرتا تھا۔ اور انہیں کتے گھسیٹتے پھرتے تھے۔ وہ ایک سائنسدان تھا۔ اس نے ایک ایٹمی آنکھ ایجاد کی تھی۔ جو ٹھوس چیزوں کے پار دیکھ سکتی تھی۔ بہرحال ڈاکٹر ڈیڈ پڑھنے کے دوران سسپنس اور جاسوسی کا ایک نیا انداز سامنے آئے گا۔ "قابوط" جو ایک شریر جن ہے۔ قدم قدم پر آپ کو چونکا دے گا۔ اس کی دلچسپ حرکتوں سے آپ یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔ "قابوط سیریز" کے سلسلے میں اپنی رائے سے ضرور نوازیئے تاکہ آپ کے قیمتی مشوروں کی روشنی میں اسے بہتر سے بہتر بنایا جا سکے۔

اللہ حافظ ـــــــــ آپ کا

شکیل انجم

۲۵ ستمبر ۸۹



قیمت چھ روپے

پبلشر ــ شکیل انجم ● پرنٹر ــ ناظر پرنٹنگ پریس کراچی

آرٹسٹ ــ صدیقی ● کتابت ــ سیّد معصوم شاہ

یہ کیسے ہوا

سورج آگ اُگل رہا تھا۔ دھوپ کی تپش زمین کو جھلسائے دے رہی تھی اور ہوا کے تھپیڑے ایٹمی لہروں کی طرح جسم میں پیوست ہوئے جا رہے تھے۔ غرض گرمی اتنی شدید تھی کہ تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے تھے۔

اس وقت ایک ائیر کنڈیشنڈ کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس کار میں بین الاقوامی شہرت کے مالک برین اسپیشلسٹ سرجن سلطان تھے۔ انہیں پوری دنیا میں دماغی امراض کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ وہ اب تک دماغ کی منتقلی کے کئی کامیاب آپریشن کر چکے تھے اور وہ سب کامیاب رہے تھے۔ اس وقت بھی وہ ایک اہم آپریشن سے فارغ ہو کر گھر لوٹ رہے تھے۔ ان کی رہائش گاہ شہر کے آخری سرے پر واقع تھی۔ جہاں پہنچنے کے لئے ایک سنسان اور نیم پختہ سڑک پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس سڑک پر ٹریفک کا رش بہت کم ہوا کرتا تھا۔ اور اس وقت جبکہ آسمان آگ برسا رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ دُور تک نہ کوئی گاڑی دکھائی دے رہی تھی اور نہ کوئی

انسان دکھائی دے رہا تھا۔

یکایک ایک کار کسی جانب سے نکل کر سرجن سلطان کی کار کے سامنے آ کر رک گئی۔ دوپہر کے سناٹے میں دونوں گاڑیوں کے بریک چیخ اُٹھے تھے۔ سڑک ناہموار ہونے کے سبب سرجن سلطان کی کار کی رفتار بہت کم تھی ورنہ ہولناک ایکسیڈنٹ ہو سکتا تھا بہرحال ان کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ اور وہ حیران تھے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔

وہ گاڑی جس نے سرجن سلطان کا راستہ روکا تھا کریم کلر کی ڈاج تھی۔ اس سے فوراً ہی دو آدمی اُترے تھے اور تیزی سے سرجن سلطان کی کار کی طرف بڑھے تھے۔ اتنی دیر میں وہ بھی صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے کھڑکی کا شیشہ کھول چکے تھے۔

"کیا بات ہے۔ کون ہو تم؟" اُنہوں نے سر تھوڑا سا باہر نکال کر پوچھا۔

جواب دینے کے بجائے دونوں آدمیوں نے فوراً ریوالور نکال لیے۔ اُن میں سے ایک نے ریوالور کی نال سرجن سلطان کی کھوپڑی پر ٹکا دی۔ اور دوسرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" سرجن سلطان نے سخت لہجے میں پوچھا

"اسٹیئرنگ سیٹ چھوڑ دو اور خاموشی سے پچھلی نشست

پر چلے جاؤ" اندر داخل ہونے والے نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ــــ تم کیا چاہتے ہو؟" سرجن سلطان کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔

"ہم تمہیں چاہتے ہیں۔" وہی آدمی بولا "اور ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔ ہمیں سختی پر مجبور نہیں کرو گے۔"

"تم مجھے اغوا کرنا چاہتے ہو ــــ؟"

"جو چاہو سمجھ لو۔"

"لیکن کیوں میری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ میں ایک بے ضرر انسان ہوں۔ تم لوگ مجھے کیوں اغوا کرنا چاہتے ہو ــــ؟"

"ہمارے آقا کا یہی حکم ہے۔"

"تمہارا آقا کون ہے ــــ؟"

"ذرا دیر بعد تم اس کے سامنے پہنچا دیئے جاؤ گے" وہی شخص بولا۔ "اور ہاں۔ اب تم سوالات میں وقت ضائع نہیں کرو گے اور خاموشی سے پچھلی سیٹ پر پہنچ جاؤ گے۔ ہمیں دیا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ سختی نہ کی جائے۔"

سرجن سلطان حالات کی نزاکت کو بھانپ گئے۔ اُنہوں نے ایک نظر دونوں کی جانب دیکھا اور خاموشی سے پسینجر سیٹ پر چلے گئے۔ اس آدمی نے اسٹیرنگ پر قبضہ جما لیا اور دوسرا آدمی پچھلا دروازہ کھول کر سرجن سلطان کے قریب اس پوزیشن میں

بیٹھ گیا کہ اس کے ریوالور کی نال ان کی کنپٹی سے جڑی ہوئی تھی۔

"گاڑی چلاؤ۔" اس نے پیچھے سے کہا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ دوسری کار بھی آگے آگے چل رہی تھی۔ اس میں پہلے ہی اسٹیرنگ سیٹ پر ایک آدمی موجود تھا۔ جو کار کے اندر ہی رہ گیا تھا۔

سرجن سلطان خوفزدہ تو نہیں تھے البتہ ان کی حیرت اور تجسس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ انہیں کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ اور کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ تاہم اُنہوں نے یہی قیاس کیا کہ ان لوگوں کا تعلق جرائم کی دنیا سے ہو سکتا ہے اور وہ اپنے کسی ایسے ساتھی کا آپریشن کرانا چاہتے ہوں گے جس کے جسم میں گولی پیوست ہو گی۔ بہرحال یہ ان کا خیال تھا۔ صورتِ حال اس کے برعکس بھی ہو سکتی تھی۔

عجیب خواہش

اس وسیع اور شاندار کمرے میں ایک گرانڈیل شخص بے چینی
سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت کی جانب بندھے ہوئے تھے۔
اور وہ گہری سوچ میں غرق نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش
کرخت تھے۔ ہونٹ باریک اور آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ اس
نے قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ
تھی کہ سر سپاٹ تھا۔ جس پر ایک بال بھی نہیں تھا۔ یکایک وہ
کمرے کے وسط میں رُک گیا۔ اور بڑبڑانے لگا۔

"آج کا دن میری زندگی کا اہم ترین دن ہے جو تاریخ کے صفحات
پر ایک سنہرے باب کی حیثیت سے جگمگائے گا۔ میرے تجربات اور
طویل جدوجہد آج کامیابی کی آخری منزل پر پہنچ جائیگی۔ میری
ایجاد سائنس کی دنیا میں ایک ایسا کارنامہ ہوگی جس کی مثال
پیش نہیں کی جا سکے گی۔ اور پھر اس کے ذریعہ میں بے پناہ دولت
پیدا کروں گا اور...... اور...... اپنے نامعلوم دشمنوں سے
انتقام لوں گا۔ جس کی وصیت میرے باپ نے کی تھی۔ جنہوں نے
میرے پورے خاندان کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ ان افراد کی فہرست آج

بھی عمارت کے کسی حصے میں دفن ہے۔ میں اپنی ایجاد کے ذریعے اُ
تلاش کروں گا اور دشمنوں کے ایک ایک بچے کو اذیت ناک
موت ماروں گا۔۔۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے بھیانک قہقہہ لگایا اور اس قہقہے کی
بازگشت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً دروازہ کھلا اور دو آدمی
اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور ان کے
درمیان میں ایک اور شخص بھی تھا وہ سرجن سلطان تھا۔
طویل القامت گنجا آدمی آگے بڑھا اور مصافحے کے لئے ہاتھ آگے
بڑھاتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولا۔

"خوش آمدید سرجن سلطان۔ امید ہے تم خیریت سے ہو گے۔"
سرجن سلطان نے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا اور
چند ثانیے گنجے آدمی کو گھورتے رہے۔ پھر تلخ لہجے میں پوچھا
"تم کون ہو ــــــ؟"

"میں۔۔۔۔ تم مجھے ڈاکٹر کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔" وہ کہنے
لگا "لیکن میں مریضوں کا علاج نہیں کرتا ہوں۔ میرا تعلق سائنس
کی دنیا سے ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے مجھے اغوا کیوں کرایا ہے؟"

"مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔" ڈاکٹر
نے جواب دیا۔

"لیکن ملاقات کا یہ طریقہ انتہائی غیر شریفانہ ہے۔"

"میں اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر بولا "میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ تمہیں عزت و احترام سے ساتھ لائیں۔ مجھے امید ہے اُنہوں نے تمہارے ساتھ کوئی بد اخلاقی نہیں کی ہو گی۔"

"اس سے بڑی بد اخلاقی کیا ہو سکتی ہے کہ ریوالوروں کی نوک پر مجھے زبردستی یہاں لایا گیا ہے۔"

"میں اس کے لئے مجبور تھا۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "تم میری طرف سے معذرت قبول کر لو۔"

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"اس لئے کہ تم دُنیا کے مشہور ترین برین اسپیشلسٹ ہو۔ دماغ کے بے شمار آپریشن کر چکے ہو۔ اور آج تک تمہارا کوئی کیس فیل نہیں ہوا۔" ڈاکٹر معنی خیز انداز میں بولا۔

"اگر تم نے صرف میری تعریف کرنے کے لئے اغوا کرایا ہے تو میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔" سرجن سلطان نے کہا "اور اگر کوئی مقصد رکھتے ہو تو بیان کرو۔"

"آرام سے ...... آرام سے ......!" ڈاکٹر دھیمے دھیمے مکارانہ لہجے میں بولا "جلد بازی کوئی اچھی چیز نہیں ہے تم میرے مہمان ہو۔ اطمینان سے بیٹھو۔ کچھ ٹھنڈا گرم پیو۔ پھر سکون

سے بات ہو گی۔"

سرجن سلطان نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر کہا۔
"تمہارے آدمی مجھے قیدی بنا کر یہاں لائے ہیں۔ دو مسلح آدمی اب بھی اردگرد موجود ہیں۔ تم چاہتے ہو ریوالوروں کی زد میں تم سے اطمینان کے ساتھ گفتگو کروں۔"

"اوہ ...." ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ پھر اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"تم لوگ جاؤ۔"

وہ دونوں فوراً باہر نکل گئے۔ ڈاکٹر نے اپنا ہیٹ سے سرجن سلطان کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر لے گیا۔ "اب تو ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے، اپنا مطلب بیان کرو۔"

"تمہیں ایک اپریشن کرنا ہو گا۔" ڈاکٹر نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"کس کا اپریشن ہے؟"

"میرا اپریشن!"

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"تم تیار ہو ___؟"

"عجیب آدمی ہو۔" سرجن سلطان نے ناراضگی کا اظہار کیا

"جب تک مجھے تمہاری بیماری وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے علم نہیں ہوگا میں کوئی رائے کیسے قائم کر سکتا ہوں۔ اور تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میں صرف دماغ کے اپریشن کرتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" ڈاکٹر ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "اسی لئے تمہیں زحمت دی ہے۔"

"گویا تم اپنے دماغ کا اپریشن کرانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہیں اپریشن کا کس نے مشورہ دیا ہے۔؟"

"یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے۔"

"یقیناً تمہارا دماغ خراب ہے۔ بلکہ کوئی بڑی خرابی ہے۔" سرجن سلطان نے بیزاری سے کہا۔ "تمہارا تفصیلی معائنہ کرنا ہوگا۔ شاید تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ دل لگی کرنے کے لئے یہاں بلایا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سرجن!" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "نہ میرا دماغ خراب ہے، اور نہ میں اس قسم کے سنجیدہ مذاق کرنے کا عادی ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، بالکل درست کہا ہے۔ تمہیں میری ہدایت کے مطابق میرے سر کا اپریشن کرنا ہوگا۔"

"تمہاری ہدایت کے مطابق؟" سرجن سلطان نے کیا غصے سے کہا۔

"ہاں۔" ڈاکٹر اس کے تلخ لہجے کو نظر انداز کر گیا۔ "تمہارے

ماہرانہ ہاتھ صرف کام کریں گے اور طریقۂ کار میں وضع کروں گا۔ آپریشن سے پہلے اہم تفصیلات ایک کاغذ پر نوٹ کر دوں گا اور آپریشن کے دوران میں ہدایات دیتا رہوں گا۔"

سرجن سلطان ڈاکٹر کو اس طرح گھورنے لگے جیسے وہ ابھی پاگل خانے سے نکل کر بھاگا ہو۔ ڈاکٹر فوراً بولا۔

"مجھے پاگل مت سمجھو! میں تمہاری طرح ہوشمند انسان ہوں اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ یہ بات کر رہا ہوں۔"

"تم سمجھتے ہو بے ہوش کئے بغیر دماغ کا آپریشن ہو جائے گا جو تم مجھے درمیان میں ہدایات دیتے رہو گے اور ہوش میں رہو گے۔؟"

"ہاں سرجن سلطان!" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "تم یہ بات جانتے ہو گے کہ بعض لوگوں میں کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کے برعکس کچھ پوشیدہ قوتیں ہوتی ہیں۔ میرے اندر بھی بے پناہ قوتِ برداشت ہے۔ میں ہر اذیت کا ہنس کر مقابلہ کر چکا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے دو آپریشن ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ حلق کا، دوسری مرتبہ گردے کا۔ خیر حلق کا آپریشن میری نظر میں زیادہ اہم نہیں تھا۔ بلکہ میں نے گردے کے آپریشن میں بھی بے ہوش ہونا پسند نہیں کیا۔"

سرجن سلطان کی حیرت دوچند ہو گئی تھی۔ اب انہیں یہ

شخص انتہائی پُراسرار معلوم ہونے لگا تھا۔ یا پھر انتہائی درجے کا خبطی۔ انہوں نے ایک مرتبہ سر سے پیر تک ڈاکٹر کا جائزہ لیا پھر کہنے لگے۔

"ڈاکٹر! تمہاری گفتگو میرے عقل و شعور سے بالاتر ہے۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کون ہو، کیا چاہتے ہو۔ بہر کیف میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تفصیلی معائنے اور مرض کو سمجھے بغیر میں کسی کا اپریشن نہیں کیا کرتا۔ اپریشن کوئی شوقیہ چیز نہیں ہے۔ اس کی ٹھوس وجوہ ہونی چاہیئں۔ اس لئے تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اگر سچ کہہ رہے ہو تو میری طرف سے معذرت سمجھو ــــ!"

"نہیں سرجن سلطان!" ڈاکٹر اپنے باریک ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہیں اپریشن کرنا ہوگا۔ اور اسی جگہ اسی عمارت میں کرنا ہوگا۔"

"خوب!" سرجن سلطان عجیب انداز میں ہنس دیئے۔ "واقعی تم عجیب شخصیت ہو۔ میرے دوست، اپریشن صرف اپریشن تھیٹر ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص سر کا اپریشن انتہائی پیچیدہ اور طویل ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک خصوصی اپریشن تھیٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"وہ خصوصی اپریشن تھیٹر اس عمارت میں اسی وقت مہیا

کیا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے انکشاف کیا۔

"وہ کیسے ___؟" سرجن سلطان حیرت زدہ رہ گئے۔

"آؤ میرے ساتھ!" وہ سرجن سلطان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک تہہ خانے کی سیڑھیاں عبور کر رہے تھے۔ زینے کے اختتام پر کوریڈور تھا۔ جس میں آمنے سامنے کئی کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ اس پر آپریشن تھیٹر کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اس نے سرجن سلطان کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اور اندر داخل ہو گیا۔

سرجن سلطان اندر پہنچتے ہی حیران رہ گئے۔ جدید طرز کا اور ہر طرح کے سامان سے لیس ایک آپریشن تھیٹر ان کی نظر کے سامنے تھا۔ وہ تعجب سے ڈاکٹر کی شکل تکنے لگے۔ ڈاکٹر فوراً بولا۔

"شاید اب تمہیں میری بات کا یقین آ گیا ہوگا۔"

سرجن سلطان نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ ذرا دیر بعد بولے۔ "میں حیران ہوں کہ اس تہہ خانے میں جدید ساز و سامان سے آراستہ یہ آپریشن تھیٹر.... آخر چکر کیا ہے؟ میں کچھ نہیں سمجھا ___؟؟"

"اس تہہ خانے میں اور بھی ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں دیکھ کر تمہاری عقل چکرا جائے گی۔"

"یہ مقام، میرا مطلب ہے یہ عمارت اسی شہر میں ہے؟"
سرجن سلطان نے دریافت کیا۔

"ہاں — اِسی شہر میں!" ڈاکٹر بولا۔ "خیر اوپر چلو میں تمہیں تفصیل سے سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

وہ لوگ تہہ خانے کا زینہ طے کر کے دوبارہ اسی کمرے میں پہنچ گئے۔ اس دوران میں ملازم چائے رکھ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے چائے بنا کر سرجن سلطان کو پیش کی پھر بولا۔

"اب کیا خیال ہے، تم میرا اپریشن کرو گے؟"

"نہیں —"

"اب کیا اعتراض ہے تمہیں؟"

"یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے پاس اپریشن تھیٹر کی سہولت موجود ہے۔ لیکن میں اپنی مرضی کے بغیر اور تمہاری ہدایت کے مطابق اپریشن نہیں کر سکتا۔ نہ معقول وجوہ اور مرض کی تشخیص کے بغیر یہ کام انجام دے سکتا ہوں۔"

"سرجن سلطان!" ڈاکٹر ایک دم کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں یہ اپریشن کرنا ہو گا۔ ورنہ تم زندگی کی آخری سانس تک اس عمارت سے باہر نہیں جا سکتے۔"

"میں دھمکیوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوا۔" سرجن سلطان نے بے خوفی سے کہا۔ "یہ بھی سمجھ لو کہ میں ایک مرتبہ جس کام کے لئے

انکار کر دیتا ہوں اسے دوبارہ نہیں کرتا“

”نہیں سرجن سلطان!“ ڈاکٹر معنی خیز انداز میں بولا۔ ”زیادہ خود اعتمادی اچھی نہیں ہوتی۔ میرے پاس ایسے طریقے موجود ہیں کہ آدمی اپنا فیصلہ بدل دیتا ہے اور ساری خود اعتمادی دھری رہ جاتی ہے۔ میں تمہیں اس کام کے لئے مجبور بھی کر سکتا ہوں ——!“

”میرا فیصلہ اٹل ہے“ سرجن سلطان نے کہا۔ ”تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“

”گویا تم اپریشن نہیں کرو گے۔“ ڈاکٹر دہاڑا۔

”نہیں —— میں تمہاری یہ عجیب خواہش پوری نہیں کر سکتا۔“ سرجن سلطان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”میں اس کام کا بھاری معاوضہ ادا کروں گا۔“ ڈاکٹر نے لالچ دیا ”تمہارے تصوّر سے بھی زیادہ۔ پچیس ہزار . . . پچاس ہزار . . . ایک لاکھ . . . بولو منظور ہے۔“

”تم نے مجھے سمجھا نہیں ہے“ سرجن سلطان بولے۔ ”میں ان لالچی ڈاکٹروں میں سے نہیں ہوں جو پیسے کی خاطر ہر جائز و ناجائز کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنی زندگی میں روپے پیسے کو کبھی اہمیت نہیں دی“

”تم صاف انکار کر رہے ہو —— ؟“

"ہاں ـــــ صاف انکار ـ"

"ٹھیک ہے سرجن !" ڈاکٹر خونخوار لہجے میں بولا ـ" میں چاہتا تھا تم تعاون کرو ـ اور یہ کام خوش اسلوبی سے انجام پائے لیکن تم مجھے سختی پر مجبور کر رہے ہو ـ اس کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا ـ"

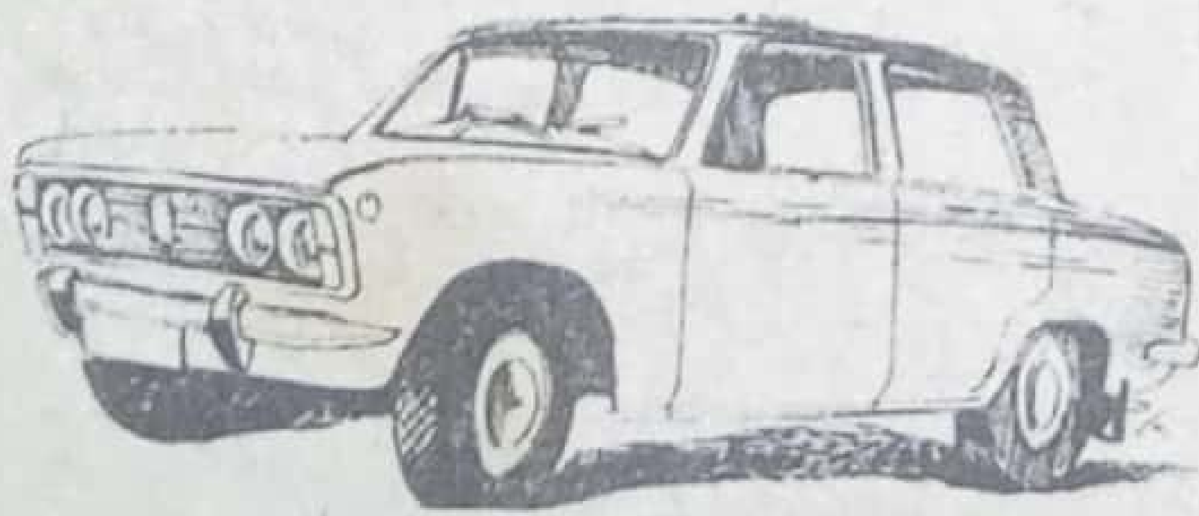
یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی ـ فوراً ہی دو آموجود ہوئے ـ ڈاکٹر انہیں دیکھتے ہی دہاڑا ـ

" سرجن کو تہہ خانے کے روم نمبر چار میں بند کر دو ـ"

دونوں آدمی سرجن سلطان کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے ـ ڈاکٹر نے پھر تالی بجائی ـ دو آدمی اور آ گئے ـ ڈاکٹر انہیں سرگوشیوں میں ہدایات دینے لگا ... پھر آخر میں بولا ـ

" بہت جلد ـــــ !"

دونوں نے اقرار میں سر ہلایا ـ اور تیزی سے باہر نکل گئے ـ



خاتون کی آمد

انسپکٹر خورشید اپنے دفتر میں ایک فائل کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اردلی نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی "جناب! کوئی خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"نام ——؟"

"جی انہوں نے نام تو نہیں بتایا۔ کارڈ وغیرہ بھی نہیں دیا۔"

"کوئی برقعہ پوش خاتون ہیں ——؟"

"جی نہیں۔ چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔" چپراسی نے بتایا۔

"کار میں آئی ہیں۔"

انسپکٹر خورشید نے ایک لمحہ غور کیا۔ پھر بولے "ٹھیک ہے۔ انہیں اندر بھیج دو۔"

ذرا دیر بعد ایک ادھیڑ عمر اور باوقار خاتون اندر داخل ہوئیں۔ شکل و صورت اور وضع قطع سے وہ کسی اچھے گھرانے کی فرد معلوم ہوتی تھیں۔ انسپکٹر خورشید فطرتاً انکسار پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ خاتون کے احترام میں اُٹھ گئے اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تشریف رکھیے۔"

خاتون مضمحل انداز میں بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے پر غم و فکر کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وہ بہت رنجیدہ اور پریشان نظر آتی تھیں۔

"فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔؟" انسپکٹر خورشید نے کہا۔

"میرے شوہر دو روز سے لاپتہ ہیں۔" خاتون نے غمگین لہجے میں کہا۔ "آج کے اخبار میں ان کی گمشدگی کی خبر بھی چھپی ہے۔"

"میں نے آج کا اخبار ابھی تک نہیں دیکھا۔" انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "یوں بھی اغوا اور گمشدگی وغیرہ کی بے شمار خبریں اخبار میں ہوتی ہیں۔ بہرحال آپ کو مقامی پولیس اسٹیشن میں ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانا چاہیئے تھی۔ ہمارا ڈیپارٹمنٹ اس نوعیت کے عام معاملات کی تفتیش نہیں کرتا۔"

"پولیس اسٹیشن میں رپورٹ لکھا چکی ہوں۔" خاتون نے بے دلی سے کہا۔ "لیکن پولیس ابھی تک ان کا سراغ نہیں لگا پائی ہے ——!"

"آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں ؟"

"سرجن ہیں۔" خاتون نے جواب دیا۔ "سرجن سلطان۔ میں ان کی بیوی ہوں۔"

"اوہ ....." انسپکٹر خورشید چونک پڑے "سرجن سلطان

غائب ہو گئے ہیں ۔۔۔"

"جی ہاں ۔ دو روز سے ان کا کوئی پتہ نہیں ہے ۔" انسپکٹر خورشید نے جلدی سے میز کی دراز سے تازہ اخبار نکالا ۔ صفحہ اوّل پر سر جن سلطان کی گمشدگی کی خبر موجود تھی ۔ ان کی تصویر بھی شایع کی گئی تھی ۔ انسپکٹر خورشید نے فوراً پہچان لیا کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے ۔ اور ملک کے بیشتر افراد ان سے واقف تھے ۔ خبر پڑھ کر انہوں نے اخبار ایک جانب رکھ دیا ۔ پھر اردلی کو بلا کر چائے لانے کی ہدایت کی ۔ اس کے بعد کہنے لگے ۔

"مجھے افسوس ہے کہ معاملے کی نوعیت کو سمجھ نہیں سکا ۔ سر جن سلطان آپ کے شوہر ہی نہیں، ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں ۔ میں اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے انہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا ۔ بہر حال آپ نے ہاسپٹل سے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے ۔۔۔؟"

ہاسپٹل والوں کو بے شمار فون کر چکی ہوں ۔ میں خود بھی وہاں گئی تھی ۔ اس کے علاوہ پولیس نے بھی ہاسپٹل سے رابطہ قائم کیا تھا ۔"

"وہاں سے کیا معلوم ہوا ۔۔۔؟"

"وہ لوگ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکے کہ سر جن سلطان

پرسوں ایک بجے دوپہر کھانا کھانے کی غرض سے گھر کے لئے اپنی کار میں روانہ ہوئے تھے۔ لیکن وہ گھر نہیں پہنچے۔"

"اس کا مطلب ہے ان کی گمشدگی ہاسپٹل اور گھر کے درمیانی راستے میں عمل میں آئی۔" انسپکٹر خورشید پُرخیال انداز میں بولے۔

"جی ہاں۔ واقعہ یہی ہے۔" بیگم سلطان نے کہا۔

"ان کی کار بھی پولیس کو دستیاب نہیں ہوئی —؟"

"جی نہیں —"

"بیگم صاحبہ!" انسپکٹر خورشید کہنے لگے۔ "سرجن سلطان جیسے مشہور آدمی کی گمشدگی کو معمولی اور غیر اہم نہیں سمجھا جائے گا لیکن کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ کسی ضروری کام سے چلے گئے ہوں اور گھر پر اطلاع دینے کا موقع نہ ملا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کوئی اہم اپریشن کرنے چلے گئے ہوں —"

"اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" بیگم سلطان نے کہا۔ "وہ اپنی تمام مصروفیات سے گھر والوں کو باخبر رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر وہ کسی کیس کے سلسلے میں گئے ہوئے ہوتے تو ہاسپٹل والوں کو اس کا علم ضرور ہوتا۔"

"آپ ان کی مصروفیات یا معمولات کے بارے میں مزید کچھ بتا سکتی ہیں —؟" انسپکٹر خورشید نے دریافت کیا۔

"وہ ناشتہ کرنے کے بعد ٹھیک نو بجے ہاسپٹل کے لیئے روانہ ہو جاتے تھے۔ اور دوپہر کو ڈیڑھ بجے گھر آجایا کرتے تھے۔"

"ہاسپٹل سے آنے کے بعد ان کی مصروفیات کیا تھیں؟"

"دراصل وہ ہفتے کے چھ دنوں میں شہر کے چھ بڑے اسپتالوں میں ایک ایک روز بیٹھا کرتے تھے۔ ایک بجے وہاں سے روانہ ہو جاتے تھے۔ گھر آکر پانچ بجے تک آرام کرتے تھے اور پانچ سے آٹھ بجے تک پرائیویٹ کلینک میں بیٹھا کرتے تھے۔ جمعہ کے روز مکمل چھٹی کرتے تھے البتہ اگر کوئی اہم کیس آجاتا تھا تو انکار بھی نہیں کرتے تھے۔"

"ان کی کسی سے دشمنی تو نہیں تھی؟"

"جی نہیں۔ وہ تو انتہائی ملنسار اور پرخلوص انسان ہیں۔"

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ انسپکٹر خورشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری جانب سی آئی ڈی کے ڈائریکٹر میاں امین الدین بول رہے تھے۔ جنہیں میاں صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ٹیلی فون پر کئی منٹ تک گفتگو ہوتی رہی.... ریسیور رکھنے کے بعد انسپکٹر خورشید بیگم سلطان سے مخاطب ہوئے۔

"بیگم صاحبہ! مجھے محکمے کے ڈائریکٹر نے سرکاری طور پر آپ کے شوہر کی گمشدگی کی اطلاع دی ہے۔ میرا مطلب ہے یہ کیس ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور میں اس کا تفتیشی افسر

مقرر کیا گیا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔ سر جن سلطان جیسی اہم شخصیت کو میں بہت جلد ڈھونڈ نکالوں گا۔"

بیگم سلطان نے شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گئیں۔

اسی وقت ایک مرتبہ پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی....

نیا بہروپ

بیگم خورشید کہیں گئی ہوئی تھیں۔ ملازم بھی گھر پر نہیں تھا اور انسپکٹر خورشید دفتر میں تھے۔ ان حالات میں تابوط سمیت محمود، فرحانہ اور ڈپو کو مکمل آزادی مل گئی تھی۔ تابوط کا کمرہ قہقہہ زار بنا ہوا تھا اور وہ عجیب عجیب حرکتیں کر کے سب کے پیٹوں میں بل ڈال رہا تھا۔

تابوط چوبیس پچیس برس کا ایک نوجوان جن تھا جو سینکڑوں برس سے ایک قدیم مکان کے اندر شیشے کے صندوق میں قید تھا۔ پھر یوں ہوا کہ محمود، فرحانہ اور ڈپو کسی طرح اس کھنڈر میں پہنچ گئے اور تابوط کو آزاد کرایا۔ تابوط شیشے کے صندوق میں چمکیلے دھوئیں کی شکل میں قید تھا اور صندوق کا ڈھکن کھلتے ہی دھوئیں نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ وہی تابوط تھا۔ محمود، فرحانہ اور ڈپو سے اس کی دوستی ہو گئی۔ وہ لوگ اسے اپنے گھر لے گئے اور اوپری منزل پر ٹھہرایا۔ تابوط جن ہونے کی حیثیت سے پر اسرار قوتوں کا مالک تھا اور انہی قوتوں کو بروئے کار لا کر اس نے ایک خطرناک مجرمہ اور

بحری قذاق میڈم وکٹوریہ[۱] کو زیر کیا تھا۔ جب سے اب تک تابوط بیکار تھا۔ اور سخت بور ہو رہا تھا۔ چنانچہ کہنے لگا۔

"دوستو! میڈم کے کیس کے بعد مجھ پر شدید بوریت طاری ہو گئی ہے۔ کوئی کام نہیں ہے کرنے کے لئے۔ جذبے سرد اور ہاتھ پیر زنگ آلودہ ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ اپنے قبیلے میں واپس لوٹ جاؤں۔ انسانوں کی جدید دنیا میں بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ بہت کچھ سمجھ لیا ہے۔ ترقی بھی ــ تنزلی بھی! پہلے انسانی اقدار کچھ اور تھیں۔ آج انسانیت کا انداز بدل گیا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں نئے دور نے قوم جنات میں کیا تبدیلی پیدا کی ہے۔ انھوں نے کون سے نئے رنگ ڈھنگ اختیار کئے ہیں۔ کس ڈگر پر چل رہے ہیں۔"

"جانے والی باتیں مت کرو تابوط۔!" فرحانہ نے جلدی سے کہا "ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

"یوں ہی مذاق کر رہا تھا" تابوط بولا۔ "میں اپنی بہن کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ اور پھر ایسا خوشگوار اور دلچسپ ماحول مجھے کہاں میسر آئے گا۔ یوں بھی ان بستیوں میں

۱۔ تابوط جن کے متعلق مکمل حالات جاننے کے لئے تابوط سیریز کا پہلا ناول "آخری حربہ" پڑھیئے۔

اب میرا کون ہو گا۔ رشتہ دار مر کھپ گئے ہوں گے۔ اب مجھے وہاں کون پہچانے گا؟"

"قابوط ۔ زندہ باد!" محمود نے نعرہ لگایا۔" اسے کہتے ہیں دوستی کا حق ادا کرنا۔"

ڈپو اس وقت گہری سوچ میں تھا۔ فرحانہ بولی۔ "تم کیا سوچ رہے ہو موٹے ۔۔۔ ؟"

"تمیز سے بات کرو۔" ڈپو بگڑ کر بولا۔ "وزن تمہارا بھی ڈھائی من سے کم نہیں ہو گا۔"

"تم لوگ پھر لڑنے لگے۔" قابوط نے دخل اندازی کی ۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ ڈپو بہت گہرائی میں ہے۔ دُور کی کوڑی لانے کی سوچ رہا ہے۔"

"میں تمہاری بوریت اور اکتاہٹ کا حل سوچ رہا ہوں۔ تم مصروف رہنا چاہتے ہو نا ۔۔۔ ؟"

"ظاہر ہے۔" قابوط نے جواب دیا۔

"کیا حل سوچا ہے تم نے ؟" محمود نے پوچھا۔

"میں نے سوچا ہے کہ ایک پرائیویٹ سراغرسانی کا ادارہ قائم کیا جائے۔" ڈپو کہنے لگا۔" ایک نہ ایک کیس روز آئے گا چنانچہ قابوط کے لئے مصروفیت اور ہمارے لئے دلچسپی کا سامان پیدا ہو جائے گا۔"

"بات تو ٹھیک ہے" فرحانہ سوچتی ہوئی بولی۔ "مگر پرائیویٹ سراغرسانی کے لئے لائسنس حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ہم لوگ ابھی چھوٹے ہیں۔ نہ تجربہ ہے نہ تعلیم ہے۔ ہمیں کون لائسنس دے گا"

"لیکن ہمارے یہاں پرائیویٹ سراغرسانی کا کوئی دستور ہی نہیں ہے" محمود نے کہا۔ "پولیس ہی جو چاہتی ہے کرتی رہتی ہے"

"نہیں جناب!" ڈیو بولا۔ "کچھ دن پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ اسمبلی میں اس قسم کا بل پیش کیا گیا ہے اور پرائیویٹ سراغرسانی کے لائسنس جاری کرنے کی سفارش کی گئی ہے"

"پھر تو کام بن جائے گا" فرحانہ بولی۔ "اس سلسلے میں دیگر تفصیلات ابا جان سے معلوم ہو جائیں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ لائسنس کون لے گا اور ادارے کا بانی و سربراہ کون ہو گا ؟"

"تابوط کو چیئرمین بنایا جائے گا" ڈیو نے کہا۔ "اور اس ادارے کا نام رکھا جائے گا "تابوط محکمہ سراغرسانی"۔

"یہ نام کچھ جچا نہیں" محمود بولا۔ "میرے خیال میں "تابوط انٹرپرائز" مناسب رہے گا"۔

"یہ نام ٹھیک ہے" سب نے تائید کی۔

"دفتر کہاں بنایا جائے گا؟" ڈیو نے پوچھا۔

"پہلے لائسنس تو مل جائے" قابوط نے کہا۔ "دفتر کا انتظام میں کر لوں گا"

"دفتر ذرا شاندار ہونا چاہیئے" محمود بولا۔ "تاکہ آنے والے پر رعب پڑے"

"دفتر ایسا شاندار ہوگا کہ تم لوگ دیکھتے رہ جاؤ گے" قابوط نے اطمینان دلایا۔ "ویل اپائنٹیڈ" آراستہ و پیراستہ!"

"بے شک..... بے شک!" ڈیو سر ہلاتا ہوا بولا۔ "اپنے بھائی قابوط کے پاس روپے پیسے کی کیا کمی ہے۔ اچھی سے اچھی بلڈنگ خرید لیں گے"

"کیوں نہیں" قابوط نے جواب دیا۔ "ہم مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کی مدد کریں گے جو بے سہارا یا وسائل محروم ہونے کے سبب ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ ادارہ تجارتی بنیادوں پر قائم کیا جائے گا لیکن درحقیقت ہمارا مقصد پیسہ کمانا نہیں ہوگا۔ ہم انسانیت کی خدمت کریں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کسی کیس پر کام کرنے کے لئے کلائنٹ سے کوئی فیس وصول نہیں کی جائے گی" محمود نے پوچھا۔

"فیس کیوں نہیں ہوگی" قابوط نے کہا۔ "مالدار لوگوں سے

بھاری فیس وصول کی جائے گی۔ غریب لوگوں سے معمولی اور نادار افراد سے کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔"

"تم ابا جان سے ملاقات کرو۔" فرحانہ نے کہا۔ وہ دفتر سے آتے ہی ہوں گے۔ اس سلسلے میں ضرور تمہاری رہنمائی کریں گے۔"

"لیکن موجودہ شکل وصورت میں ان کے پاس مت چلے جانا۔" محمود بولا۔ "پولیس ابھی تک تمہارے ہم شکل عرفان داسطی کی تلاش میں ہے۔ ابا جان تمہیں فوراً گرفتار کرا دیں گے۔"

"معاف کیجیئے گا میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اِس حلیے میں انسپکٹر خورشید کے سامنے چلا جاؤں۔ میں ایک ایجوکیٹڈ اور باوقار نوجوان کی حیثیت سے ملاقات کروں گا۔ شکل بالکل مختلف ہو گی۔"

دفعتاً کار کے ہارن کی آواز آئی۔ سب لوگوں نے نیچے دیکھا۔ انسپکٹر خورشید دفتر سے واپس آ گئے تھے۔ محمود" فرحانہ اور ڈیو فوراً اٹھ گئے۔ فرحانہ زینے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ابا جان آ گئے ہیں۔ تم ابھی ملاقات کر لینا۔"

انسپکٹر خورشید لباس وغیرہ تبدیل کر چکے تو سب کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔ قابوط اوپر ہی رہ گیا تھا اور ڈیو اپنے گھر چلا گیا تھا۔ کھانے کے دوران فرحانہ نے محسوس کیا کہ انسپکٹر خورشید کچھ فکر مند سے ہیں۔ وہ کہنے لگی۔

"اباجان شاید کوئی خاص بات ہوگئی ہے... یا کوئی پیچیدہ کیس آپ کے پاس آیا ہے؟"

"تمہاری دونوں باتیں درست ہیں۔" انسپکٹر خورشید نے جواب دیا۔ "دراصل بین الاقوامی شہرت کے مالک اور ملک کے مشہور ترین اسپیشلسٹ سرجن سلطان غائب ہو گئے ہیں۔"

"اوہ..." محمود چونک کر بولا۔ "ہم لوگوں نے صبح اخبار میں یہ خبر پڑھی تھی۔ سرجن سلطان کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے۔"

"میں بھی وہ خبر پڑھ چکا ہوں۔" انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "سرجن سلطان کی بیگم میرے پاس آئی تھیں۔ وہ مقامی پولیس اسٹیشن کی تفتیش سے مطمئن نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ میری مدد حاصل کرنا چاہتی تھیں۔"

"اور آپ یقیناً ان کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے ہوں گے۔" بیگم خورشید نے کہا۔

"ظاہر ہے..." انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "سرجن سلطان ملک کی عظیم شخصیت ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے میرے تھوڑے بہت ذاتی قسم کے تعلقات ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری سطح پر بھی یہ کیس میرے محکمے کو مل گیا ہے۔ اور ڈائرکٹر جنرل نے مجھے تفتیشی افسر مقرر کیا ہے۔"

"سرجن سلطان کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا؟" فرحانہ نے دریافت کیا۔

"حقیقت یہ ہے کہ میں نے ابھی کام کا آغاز ہی نہیں کیا ہے۔" انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "ابھی تک لائحہ عمل مرتب کر رہا ہوں ۔۔۔" تاہم میں نے کئی جگہ رابطہ قائم کیا ہے۔ کئی پہلوؤں پر غور کر رہا ہوں۔ لیکن ابھی تک اس کیس کی کوئی کڑی ہاتھ نہیں لگی ہے۔"

کھانے کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ اس دوران میں ڈیو بھی آ گیا۔ چنانچہ تینوں کے درمیان گپ شپ شروع ہو گئی۔ انسپکٹر خورشید ایک ویکلی رسالہ پڑھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

اچانک کال بیل کی گھنٹی بج اُٹھی۔ محمود صدر دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ باہر نکلا تو ایک اسمارٹ نوجوان کو دروازے پر کھڑا پایا۔ وہ انتہائی باوقار نظر آ رہا تھا۔ چہرے سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔ محمود کو دیکھ کر وہ خود ہی آگے بڑھا اور شائستہ لہجے میں بولا۔

"میں انسپکٹر خورشید سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کارڈ ہے آپ کے پاس؟" محمود نے پوچھا۔

"سوری ۔۔۔!"

"آپ کا نام ___؟"

"پرنس آف جمپ!"

محمود چونکا۔ کیونکہ عمران سیریز کی کتابوں میں وہ پرنس آف ڈھمپ کا کردار پڑھ چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ یہ پرنس آف جمپ کہاں سے برآمد ہو گیا .... اور پھر دوسرے ہی لمحے اس پر حقیقت واضح ہو گئی۔ سرگوشی میں بولا۔

"استاد! پرنس آف جمپ نہیں، پرنس آف تابوط!"

دونوں کا ہلکا سا قہقہہ فضا میں گونجا۔ محمود دوبارہ تعریفی انداز میں بولا۔

"خدا کی قسم، بہت شاندار روپ دھارا ہے تم نے ___"

"اب مستقل اسی حالت میں رہوں گا۔" تابوط بولا۔ "کیونکہ میری سابقہ شکل و صورت عرفان واسطی سے ملتی جلتی ہے اور وہ پولیس کو مطلوب ہے۔ خیر تم اپنے اباجان سے میری ملاقات کرا دو۔ نام تابوط سلیمان بتانا۔ میں ان سے پرائیویٹ سراغ رسانی کا ادارہ قائم کرنے کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا ___"

محمود اطلاع دینے کے لئے ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا جہاں اس وقت انسپکٹر خورشید بیٹھے ہوئے تھے۔ "کون ہے بھئی؟"

انہوں نے ایک نظر محمود کی طرف دیکھا۔

"ابا جان، ایک نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کون ہے ___ کیا نام ہے؟؟"

"وہ اپنا نام قابوط سلیمان بتاتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔ "بہت مہذب اور تعلیم یافتہ آدمی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم اس میں یہ خصوصیات موجود ہیں؟"

"ابا جان، آدمی کے نصف حالات اس کی ظاہری شخصیت سے معلوم ہو جاتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" انسپکٹر خورشید تعریفی انداز میں بولے۔

"خیر اس نوجوان کو اندر لے آؤ۔"

فرحانہ اور ڈپو، قابوط سلیمان کا نام سن کر پہلے ہی چونک گئے تھے ڈپو آہستہ سے بولا ___ "وہ آگیا ہے۔"

محمود، قابوط کو بلانے کے لئے صدر دروازے کی طرف چلا گیا۔ ذرا دیر بعد دروازے کا پردہ ہلا، اور محمود کے ساتھ ایک باوقار نوجوان اندر داخل ہوا۔ ظاہر ہے وہ قابوط ہی تھا۔ فرحانہ اور ڈپو بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اسمارٹ نوجوان قابوط ہو سکتا ہے۔ انسپکٹر خورشید بھی اس سے متاثر نظر آرہے تھے۔ وہ اس لئے کہ وہ ذہین اور چاق و چوبند نوجوانوں کو پسند کرتے تھے۔

الٹرا ماڈرن ہونے کے باوجود تابوط نے انسپکٹر خورشید کو خالص مشرقی انداز میں سلام کیا۔ وہ سلام کا جواب دے کر آہستہ سے مسکرائے اور تابوط کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر میگزین ایک جانب رکھ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"ویلڈن! کیا نام بتایا تم نے؟"

"تابوط سلیمان!"

"عجیب سا نام ہے۔" انسپکٹر خورشید بولے۔ "بالخصوص نام کا پہلا حصّہ غیر مانوس سا لگتا ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا۔" تابوط بولا۔ "دراصل والدین کا رکھا ہوا مکمل نام سلیمان احمد ہے۔ لیکن ہوا یوں کہ ایک مرتبہ میں نے ڈائجسٹ میں ایک کہانی پڑھی۔ اس کے مرکزی کردار نے مجھے بہت متاثر کیا۔ مختصر لفظوں میں وہ ایک جن تھا جو اپنے قبیلے سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں آبسا تھا۔ اور عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ مصروف رہنا چونکہ ہر جاندار کی فطرت ہے چنانچہ اس نے بھی اپنے لئے مصروفیت کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کی مصروفیات بڑی ہنگامہ خیز تھیں — وہ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ پریشان حال لوگوں کے کام آتا تھا۔ اس کے لئے اسے مخالف قوتوں سے بھی ٹکرانا پڑتا تھا لیکن جن ہونے کے ناتے وہ اپنی پُراسرار قوتوں سے کام لے کر حالات پر

قابو پالیتا تھا ۔ اُسی کا نام تابوط تھا ۔"

"گویا تم بھی تابوط جیسی صفات کا مالک بننا چاہتے تھے ۔؟
انسپکٹر خورشید نے دریافت کیا ۔

"جی ہاں ۔۔۔ !"

"مگر تمہارے اندر جنّوں والی خصوصیات نہیں ہیں ۔"

"انسان اشرف المخلوقات ہے ۔" تابوط نے جواب دیا ۔
"اگر وہ چاہے تو اپنی خفتہ قوتوں کو بیدار کر کے جنّوں سے زیادہ صلاحیت پیدا کر سکتا ہے ۔"

"بہت خوب ۔۔۔ !" انسپکٹر خورشید مسکرائے ۔"تمہارے خیالات جان کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ۔ اگر قوم کا ہر نوجوان اسی انداز میں سوچنے لگے تو حقیقت یہ ہے کہ قوم کا بیڑا ہی پار ہو جائے ۔"

"شکریہ جناب ! میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ۔"

"کس قسم کی معلومات ۔ !"

" اس وقت صورتحال کچھ ایسی ہے کہ پولیس کی کارکردگی کچھ مناسب نہیں ہے ۔ یا ناکافی ہے ۔ اس کا سبب نفری اور وسائل میں کمی بھی ہو سکتا ہے ، ناقص تربیت بھی اور معاشی بدحالی بھی ۔ بہرحال دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ عام طور پر لوگ

پولیس کی عدم توجہی کا شکار رہتے ہیں۔ ان کے مسائل حل نہیں ہو پاتے۔ بہت سے لوگ مزید الجھ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ افراد اپنے مسائل اپنے طور پر حل کرانا چاہتے ہیں۔ مثلاً کسی کا عزیز لاپتہ ہے، وہ اس کی تلاش میں ہے۔ کسی شخص کی کوئی چیز چوری ہوگئی ہے اور وہ اپنے طور پر اُسے تلاش کرانا چاہتا ہے بعض لوگ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو خفیہ طور پر جاننا چاہتے ہیں۔ یہ تمام امور ایک پرائیویٹ سراغرساں ہی انجام دے سکتا ہے۔ اور مجھے پرائیویٹ سراغرساں بننے کا شوق ہے۔ ایک چھوٹا سا جاسوسی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

"تم نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔" انسپکٹر خورشید کہنے لگے۔ ہماری حکومت عرصے سے اس خلا کو محسوس کر رہی تھی۔ چنانچہ گذشتہ دنوں اسمبلی میں اس سلسلے میں بل پیش ہوا تھا جو بھاری اکثریت سے منظور کر لیا گیا جس کی رُو سے ملک میں پرائیویٹ سراغرساں اور محدود پیمانے پر پرائیویٹ جاسوسی کے ادارے قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس ضمن میں وزارتِ داخلہ کو احکامات بھیج دیئے گئے ہیں اور غالباً پرائیویٹ سراغرسانی کا لائسنس حاصل کرنے

کے فارم بھی چھپ چکے ہیں۔ تم متعلقہ دفتر سے یہ فارم حاصل کر لو اور اس سلسلے میں جو ضوابط طے گئے ہیں ان کے تحت فارم بھر کر بھیج دو۔ اور جو ڈاکومینٹس طلب کئے ہیں وہ فراہم کر دو۔"

"بہت بہتر جناب!" قابوط اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ نے جو رہنمائی فرمائی ہے اس کے لئے بے حد مشکور رہوں۔"

"بیٹھو چائے آ رہی ہے۔" انسپکٹر خورشید نے کہا۔

چائے پی کر قابوط رخصت ہو گیا۔ ڈیوسر گوشی میں فرحانہ سے بولا۔ "قابوط اب کہاں گیا ہو گا۔ ؟"

"اپنے کمرے میں اور کہاں ——"

"آؤ اس سے ملنے چلتے ہیں۔ کمال کا بہروپ بھرا ہے اس شاطر نے ——"

"ذرا ٹھہر جاؤ۔" محمود بولا۔ "ابا جان سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ پھر چلیں گے اوپر۔"

ـــ ـــ ـــ

ایٹمی آنکھ

شہر کا ہنگامہ رفتہ رفتہ ماند پڑتا جا رہا تھا۔ دوکانیں بند ہو چکی تھیں۔ سڑکیں ویران تھیں۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اس وقت ایک کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اس میں دو آدمی تھے۔ ایک گاڑی چلا رہا تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھا تھا۔

بڑی شاہراہ سے گذر کر کار ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور جا کر ایک بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچ کر رُک گئی۔ اس جگہ تاریکی تھی اور کار دُور سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی فوراً باہر آگیا۔ اب وہ باؤنڈری وال کی طرف جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ دوسری جانب پہنچ گیا۔

عمارت کا صدر دروازہ لاک تھا۔ نچلے حصے کی تمام کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ البتہ اوپری منزل کی چند کھڑکیاں کھُلی ہوئی تھیں۔ اور ان میں روشنی بھی ہو رہی تھی۔ وہ آدمی سینٹری پائپ کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔ وہ اس کام میں خاصا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ جلد ہی اوپری منزل کی ایک کھڑکی

کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے پائپ کو تھامے ہوئے اندر جھانکا۔
اور دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں کامیابی کی لہر دوڑ گئی۔
کھڑکی سے گزر کر وہ آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔
سامنے بیڈ پر دو بچے بے خبر سو رہے تھے۔ ان میں ایک کی عمر بارہ
برس اور دوسرے کی آٹھ سال کے قریب رہی ہو گی۔ وہ شخص
دبے قدموں سے چلتا ہوا بیڈ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے ایک نظر
بچوں کا جائزہ لیا۔ پھر جیب سے ایک رومال نکالا جو پلاسٹک
کی تھیلی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے رومال بچوں کی ناک پر رکھ دیا۔
اب دونوں بچے بے ہوش ہو چکے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔
اور چھوٹے بچے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ کھڑکی کے قریب
پہنچ کر اس نے ایک نظر نیچے دیکھا اور بے ہوش بچے کو چھوڑ دیا۔
بچے کا جسم تیزی سے نیچے کی طرف گیا۔ وہاں وہ آدمی پہلے سے موجود
تھا جو اب تک ڈرائیور کے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔ اس نے
بچے کو دونوں ہاتھوں پر سنبھال لیا۔ اور پھر دوسرا آدمی بھی
پائپ کے ذریعے نیچے آگیا۔ اب وہ تیزی سے چار دیواری کی طرف
بڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ سڑک پر تھے۔ اپنی کار کے قریب
پہنچ کر انہوں نے بچے کو پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ پھر دونوں
اپنی اپنی جگہ پر پہنچ گئے اور کار تیزی سے روانہ ہو گئی۔

ڈاکٹر کی بے چینی اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی — وہ اضطرابی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اور ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتا جا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے اپنے ہاتھوں پر آٹھ سال کے ایک بے ہوش بچے کو اٹھا رکھا تھا۔ ڈاکٹر تیزی سے قریب آیا۔ اس نے بچے پر ایک نظر ڈالی اور بولا — "بے ہوش ہے —؟"

"جی ہاں —"

"اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ اور دوبارہ جلد میرے پاس آؤ۔ دونوں آدمی بچے کو لے کر فوراً کمرے سے نکل گئے۔ ڈاکٹر پھر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ دروازے کی طرف بڑھا جہاں ایک مسلح آدمی موجود تھا۔ ڈاکٹر اس سے کہنے لگا۔

"سرجن سلطان کو میرے پاس لے آؤ۔!"

وہ مسلح آدمی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دائیں جانب راہداری میں مڑ گیا۔ ڈاکٹر دوبارہ کمرے میں واپس آ گیا۔ اب وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سفاکانہ چمک تھی اور وہ دونوں ہاتھ عجیب طرح سے مسل رہا تھا۔

اچانک دو آدمی سرجن سلطان کو لے کر اندر داخل ہوئے

ان کی حالت بہت ابتر تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ لباس شکن آلود تھا۔ اور چہرے سے تھکن اور پریشانی کے آثار صاف ظاہر تھے۔ ڈاکٹر انہیں دیکھ کر مسکرایا۔ پھر اُٹھ کر قریب چلا گیا اور طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"کیسے ہو سرجن سلطان! ویسے تم اس حالت کو خود پہنچے ہو اگر تم میرا اپریشن کرنے سے انکار نہ کرتے تو اب تک گھر پہنچ چکے ہوتے اور معاوضے کی خطیر رقم تمہاری جیب میں ہوتی۔ مگر تم ضدی ہو اور ایسے لوگ میری نظر میں احمق ہوتے ہیں"

"بکواس مت کرو!" سرجن سلطان نے نحیف لہجے میں کہا۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اپریشن نہیں کروں گا"

"تم ضرور کروگے اپریشن۔!" ڈاکٹر مضبوط لہجے میں بولا۔ "مجھے فیصلہ تبدیل کرانے کے گر آتے ہیں۔ بس چند لمحوں کی دیر ہے"

یکایک دروازہ کھلا اور دو آدمی اسی "بچے" کو لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ "بچہ" اب ہوش میں آچکا تھا۔ مگر اس حالت میں تھا کہ اس کے دونوں بازو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور دو آدمی دونوں جانب سے رسی کے سروں کو پکڑے ہوئے تھے۔ لڑکا بہت خوفزدہ تھا اور بری طرح چیخ رہا تھا۔ اور پھر جیسے ہی اس کی نظر سرجن سلطان پر پڑی وہ "ڈیڈی" کہہ کر آگے بڑھا۔ مگر دونوں آدمیوں نے رسیاں کھینچ لیں اور "بچہ" ایک جھٹکے کے

ساتھ اپنی جگہ رُک گیا۔ اور بُری طرح چیخنے لگا۔

سرجن سلطان اپنے بچے کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپ اُٹھے اور تیزی سے بچے کی طرف بڑھے مگر ایک شخص نے ان کے سینے پر ریوالور رکھ دیا۔ اور سرجن سلطان کو رُک جانا پڑا۔ انہوں نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور چیخ کر بولے۔

"سفاک انسان! تو نے میرے بچے کو بھی اغوا کرالیا۔ اب تو مجھے ان اوچھے ہتھکنڈوں سے مجبور کرنا چاہتا ہے"

"تم اسے کوئی سا بھی نام دے سکتے ہو" ڈاکٹر کہنے لگا۔

"اپنی ضرورت کے مطابق مختلف طریقۂ کار اختیار کر لیا کرتا ہوں اور یہ بھی ان میں سے ایک ہے"۔

"میرے بچے کو آزاد کر دو۔ ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا" سرجن سلطان آپے سے باہر ہو گئے۔

"آدم خور بننے کی کیا ضرورت ہے" ڈاکٹر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "میرا اپریشن کر دو۔ تمہارے بچے کو آزاد کر دوں گا۔ اور اگر تم نے اب بھی انکار کیا تو تمہارے گھر کا ایک ایک فرد یہاں لایا جاتا رہے گا۔ اور تم اپنی آنکھوں سے اس کی اذیتناک موت کا منظر دیکھو گے"۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے" سرجن سلطان چیخ پڑے۔

"میں یقیناً ایسا نہیں کروں گا" ڈاکٹر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"تم بلاشبہ مجھے روک سکتے ہو، لیکن سخت الفاظ سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے۔ یعنی میرا اپریشن کر کے۔ بولو تیار ہو۔؟"

"ہرگز نہیں ۔۔"

"ٹونی ۔۔!" ڈاکٹر نے اپنے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا ۔۔" ڈبہ لاؤ۔ ڈاکٹر اس طرح نہیں مانے گا۔"

ٹونی فوراً باہر چلا گیا۔ اور ذرا دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹین کا ایک ڈبہ تھا۔

"ڈبہ کھول دو۔" ڈاکٹر نے حکم دیا۔

ٹونی نے ڈبے کا ڈھکن کھول کر زمین پر اُلٹ دیا۔

دوسرے ہی لمحے ایک درجن سیاہ اور بڑے بڑے بچھو ڈبے سے نکل کر فرش پر رینگنے لگے۔ بچہ دہشت سے چیخ پڑا۔ سرحن سلطان اس صورت حال سے بری طرح گھبرا گئے۔ ان کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ دوسری جانب بچھو تیزی سے بچے کی جانب بڑھ رہے تھے وہ چیخ رہا تھا۔ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر دونوں بازو رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اور دو آدمیوں نے دونوں جانب سے رسی کے سروں کو کھینچ رکھا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ تھی۔ وہ دلچسپ نظروں سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

سیاہ بچھو اب بچے کے پیروں کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے

اور جسم پر چڑھنا ہی چاہتے تھے کہ سرجن سلطان چیخ پڑے۔
"ٹھہرو!"
"آہا ہا ہا۔۔۔۔" خبیث ڈاکٹر کا فلک شگاف قہقہہ کمرے میں گونجا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بچے کو اس جگہ سے ہٹا لیا۔ ڈاکٹر سرجن سلطان کے قریب جا کر کہنے لگا۔
"میں انسانی فطرت کو بہت زیادہ سمجھتا ہوں۔ تم بچھوؤں کے ڈسنے کی تکلیف جھیل سکتے تھے۔ مگر اولاد کی اذیت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ خیر کیا تم اپریشن کے لئے تیار ہو۔؟"
"ہاں! مجھے تفصیلات سے آگاہ کرو۔ لیکن میرے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے! اسے گھر پہنچا دو۔"
"نہیں سرجن!" ڈاکٹر سفاک لہجے میں بولا۔ بچہ یہیں رہے گا۔ اُس وقت تک جب تک تم میرا اپریشن نہیں کر دیتے۔ اس کے بعد تم دونوں کو آزاد کر دیا جائے گا۔ میں اس بات کا یقین بھی دلاتا ہوں کہ اگر تم نے میری ہدایات پر عمل کیا تو بچے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں اس تعاون پر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں"
ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔
"بچھوؤں کو ڈبے میں بند کر دو اور بچے کو سرجن سلطان کے کمرے میں پہنچا دو"

ڈاکٹر کے آدمی بچے کو لے جانے لگے تو وہ پھر چیخنے لگا۔ سرجن سلطان اس کے قریب گئے۔ سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور بولے "ڈرو مت بیٹے۔ تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔"

بچے کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے سرجن سلطان کا ہاتھ پکڑا، اور لیبارٹری کی طرف چل دیا۔ زینہ عبور کرنے کے بعد وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئے جہاں بے شمار نازک اور پیچیدہ مشینیں نصب تھیں۔ ڈاکٹر سرجن سلطان کو ایک ایسی مشین کے پاس لے گیا۔ جہاں شیشے کے جار میں ایک انسانی آنکھ تیر رہی تھی۔ سرجن سلطان اُسے حیرت سے دیکھنے لگے پھر ڈاکٹر سے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"تم اسے ایٹمی آنکھ کہہ سکتے ہو۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "تمہیں یہی آنکھ میری کھوپڑی کے پچھلے حصے میں فٹ کرنا ہوگی۔ اور یہ میری تیسری آنکھ ہوگی جس کا موجد میں خود ہوں۔"

"ایٹمی آنکھ ـــ!" سرجن سلطان کی حیرت بڑھ گئی۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "یہ ایٹم اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج کی سب سے بڑی قوت ایٹمی توانائی ہے۔ اسی قوت کے بل پر ہم چاند پہ پہنچ گئے ہیں۔ اور دیگر سیاروں پر کمند ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی نہیں، زندگی کے

ہر شعبے میں ایٹمی توانائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ سائنس کی دنیا میں ہم نے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کر لی ہیں کہ جادو اور طلسم جیسے الفاظ بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں نے بھی ایک چیز ایجاد کی ہے اور وہ ہے ایٹمی آنکھ۔ اس آنکھ سے میں ٹھوس چیزوں کے پار دیکھ سکتا ہوں۔ آسمان کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں میں جھانک سکتا ہوں۔ اپنے دماغ میں اس آنکھ کی پیوند کاری کے بعد میں اسی جگہ سے یہ بتا سکتا ہوں کہ گیٹ کا چوکیدار کیا کر رہا ہے۔ سڑک پر کتنے لوگ چل رہے ہیں اور فضا میں پرواز کرتے ہوئے طیارے میں کون کون اور کتنے افراد سوار ہیں۔

"مجھے یقین نہیں آرہا — !" سرجن سلطان تعجب سے بولے۔

"مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا ہے۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "کیا تم ایٹم کی قوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ سائنس کی کرشمہ سازیوں سے ناواقف ہو — ؟"

سرجن سلطان اس کی بات کا جواب نہیں دے سکے۔ کچھ دیر بعد بولے۔

"تمہاری یہ ایٹمی آنکھ سائنس کے کس اصول کے تحت کام کر رہی ہے۔ شاید اس میں دوربین کی قسم کا یا اس سے بہتر لینس لگا ہوا ہے۔"

"نہیں سرجن!" دوربین کا لینس ٹھوس چیز کے آر پار تو

نہیں دیکھ سکتا۔ اس آنکھ میں ایٹمی قوت کام کرتی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ایٹمی لہریں ٹھوس چیز میں سے گزر جاتی ہیں دراصل میری یہ آنکھ ایکسرے کے اصول پر کام کر رہی ہے۔ جس طرح "X ریز" ٹھوس انسانی جسم سے گزر جاتی ہیں۔ بس ذرا سا فرق یہ ہے کہ اس آنکھ میں جو ایکس شعاعیں استعمال کی گئی ہیں وہ زیادہ طاقتور ہیں اور زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہیں تاکہ موٹی سے موٹی دیوار کے پار گزر جائیں۔ اور زیادہ فاصلے تک جا سکیں۔ اس آنکھ کے پچھلے حصے میں بے شمار باریک تاریں لگی ہوئی ہیں۔ یہ تاریں دماغ کے اس حصے کی رگوں سے جوڑ دی جائیں گی جس کا تعلق قوتِ بصارت سے ہے۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ کھوپڑی کھول کر آنکھ کی وائریں دماغ کی نسوں کے ساتھ منسلک کر دیں۔

"میں پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔" سرجن سلطان کا لہجہ کسی حد تک تعریفی تھا۔ "مگر سوال یہ ہے کہ آنکھ کی پیوند کاری کس جگہ ہو گی؟"

ظاہر ہے کہ قدرتی آنکھوں کی طرح یہ آنکھ بھی باہر ہی رہے گی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "کھوپڑی کے پچھلے حصے کو کھرچ کر اس کے لئے آپ کو جگہ بنانا پڑے گی۔"

"میں تیار ہوں۔" سرجن سلطان نے کہا۔ "میرے لئے یہ

کام مشکل نہیں۔ سائنس کی دنیا میں یقیناً یہ ایک نئی ایجاد ہوگی۔ اگر تم پہلے سے یہ تفصیلات بتا دیتے تو شاید میں انکار نہ کرتا۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تمہیں کوئی مرض لاحق ہے اور تم اپنے طور پر اس کا علاج کرانا چاہتے ہو۔ کیونکہ آج کل خود تشخیصی کی وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔ لوگ پیٹنٹ ادویات کے ذریعہ اپنا علاج خود کر لیتے ہیں۔"

"بہرحال اب تو تمہیں اس اپریشن کی افادیت کا بارے میں علم ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں۔" سرجن سلطان جار میں تیرتی ہوئی آنکھ کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ "مجھے کب اپریشن کرنا ہوگا۔؟"

"ابھی اور اسی وقت۔" ڈاکٹر نے کہا "میرے پاس ہر تیاری مکمل ہے۔ آؤ اپریشن تھیٹر میں چلتے ہیں۔"

سرجن سلطان نے تفصیلی نظروں سے اپریشن تھیٹر کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ تمام انتظامات مکمل تھے۔ انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اپریشن ابھی وقت ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تمہارے اس فیصلے سے متفق نہیں ہوں کہ بے ہوش کئے بغیر اپریشن کیا جائے۔"

"ایک یہ تجربہ بھی کر لو۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"تجربے اور رسک میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔" سرجن سلطان

نے کہا۔" اور میں کسی بھی کام میں رِسک لینا پسند نہیں کرتا جبکہ دماغ جیسے پیچیدہ اپریشن کا معاملہ ہو۔ تم مجھ پر اعتماد کرو ڈاکٹر! دراصل پہلے مجھے اس کی افادیت کا علم نہیں تھا۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ تم ایک خبطی دولتمند ہو۔ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ سائنس کی دنیا میں یہ ایک گرانقدر اضافہ ہو گا۔ اس لیئے مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں ہر کام پوری احتیاط اور ذمہ داری سے کروں گا۔"

ڈاکٹر خاموش نظروں سے سرجن سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے یہ یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ سرجن سلطان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا۔

" ٹھیک ہے۔ میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہو گا۔ بلکہ دو وعدے کرنا ہوں گے۔"

" کس بات کا وعدہ لینا چاہتے ہو؟" سرجن سلطان نے کہا۔

" پہلی بات یہ!" ڈاکٹر کہنے لگا۔" تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا ہو گا جب تک میرے زخم اچھے نہیں ہو جاتے۔ دوسری بات یہ کہ تم اس اپریشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جب تک میں خود اعلان نہ کروں۔ کیوں کہ اس سے کافی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ آگے چل کر یا کچھ دن بعد یہ تجربہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مجھے شرمندگی

اٹھانی پڑے گی۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ اپنے مقصد میں سو فیصد کامیاب ہو گیا ہوں تو اپنی ایجاد کو منظر عام پر لے آؤں گا۔ اس وقت راز داری کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

یہ کوئی ایسی شرائط نہیں ہیں جو میرے لئے ناقابلِ قبول ہوں" سرجن سلطان نے جواب دیا۔ "میں خود مریض کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اس کے بارے میں کلی اطمینان نہیں ہو جاتا۔ رہی تمہاری دوسری شرط، تو مجھے اس سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے جب مناسب سمجھو اپنی ایجاد کو منظرِ عام پر لاؤ۔ میں اس ضمن میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

ڈاکٹر کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے گویا اُسے سرجن سلطان کی بات کا یقین آگیا ہے۔ اور وہ اس پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ "اوکے!" اس نے کہا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔ مجھے بے ہوش کر کے اپریشن کر سکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ اپریشن ٹیبل پر لیٹ گیا۔ اس دوران میں ایک آدمی شیشے کا وہ جار بھی لے آیا تھا جس میں ایٹمی آنکھ تیر رہی تھی۔

ڈاکٹر نے بے ہوش ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر سرجن سلطان کو تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد سرجن سلطان نے اُسے بے ہوش کیا اور کھوپڑی کی ہڈی کاٹنے والا ایک آری نما آلہ اس کے سر پر رکھ دیا۔

بچّہ غائب

سرجن سلطان چونکہ بین الاقوامی شہرت کے سرجن تھے۔ چنانچہ ان کی گمشدگی نے سرکاری سطح پر ایک ہلچل مچادی تھی ۔ اعلیٰ حکام اور مختلف ایجنسیوں کے افسران کے کئی خفیہ اجلاس ہو چکے تھے جن میں انسپکٹر خورشید نے بھی حصّہ لیا تھا۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے ان کی گمشدگی پر روشنی پڑتی ۔ ان کی تلاش کے سلسلے میں کوئی لائحہ عمل بھی مرتب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسے افراد کی تعداد صفر کے برابر تھی جنہیں مشکوک قرار دیا جاتا یا یہ تصوّر کیا جاتا کہ وہ کسی طور سرجن سلطان کی گمشدگی یا اغوا کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

اس وقت بھی انسپکٹر خورشید ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر اپنے دفتر پہنچے تھے ۔ اور جیسے ہی انہوں نے کمرے میں قدم رکھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو.....!" انسپکٹر خورشید نے ریسیور اٹھایا۔

"میں انسپکٹر خورشید سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" دوسری جانب سے ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں بول رہا ہوں، فرمائیے!"

"میں بیگم سلطان بات کر رہی ہوں" دوسری جانب سے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا گیا۔ "میرے شوہر کا ابھی تک پتہ نہیں چل سکا اور اب میرا بچہ بھی غائب ہو گیا ہے"

"بچہ ـــ وہ کیسے؟" انسپکٹر خورشید چونکے۔

"رات دونوں بچے ایک ہی بستر پر سوئے تھے" بیگم سلطان نے بتایا۔ "صبح چھوٹا لڑکا غائب پایا گیا"

"کیا گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا ـــ؟"

"چوکیدار ہر وقت موجود رہتا ہے"

"ہوں ..." انسپکٹر خورشید سوچتے ہوئے بولے۔ "کیا صدر دروازہ یا کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی ـــ؟"

"جی نہیں" بیگم سلطان نے جواب دیا۔ "صدر دروازہ بند تھا اور نچلی منزل کی تمام کھڑکیاں بھی بند تھیں"

"بچے کہاں تھے ـــ؟"

"بچے اوپری منزل پر تھے" بیگم سلطان نے کہا۔ "ہمارے بیڈ روم وہیں ہیں۔ سرجن سلطان کی گمشدگی کے بعد ہم لوگ حفاظت کے خیال سے اوپر چلے گئے تھے۔

اوپر کی منزل کے کمروں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں؟" انسپکٹر خورشید نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ ان کمروں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ کیونکہ کسی کے اوپر آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔ دس منٹ کے لئے گھر ٹھہروں گا۔ اس کے بعد سیدھا آپ ہی کی طرف آرہا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر خورشید نے ریسیور رکھ دیا اور اپنی کار میں فوراً روانہ ہوگئے۔ وہ گھر پہنچے تو محمود، فرحانہ اور ڈبو بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

بیگم سلطان بیٹے کے غم میں زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ پہلے شوہر لاپتہ ہوا! اور اب بیٹا غائب ہوگیا۔ وہ گلوگرفتہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"انسپکٹر صاحب! میں لٹ گئی، برباد ہوگئی۔ نہ جانے کون ہماری جان کا گاہک بن گیا ہے۔ ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں ہے۔!"

"مجھے آپ کے غم کا شدت سے احساس ہے۔" انسپکٹر خورشید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ کے شوہر اور بچے کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

دوسری جانب محمود، فرحانہ اور ڈبو موقع واردات کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئے۔ ان کی رگِ جاسوسی پھڑک اٹھی تھی۔ محمود بولا۔

"سوال یہ ہے کہ مجرم کمرے تک کیسے پہنچا" اور بچے کو لے کر کس طرح فرار ہوا۔ کیونکہ صبح کمرے کا دروازہ بند پایا گیا تھا۔"

"ہوں ..." فرحانہ سوچتی ہوئی بولی۔ "اس کا کمرے میں پہنچنا اور پھر باہر نکلنا واقعی ایک معمہ ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ڈپو بولا۔

"کیا سمجھ گئے۔؟" محمود نے پوچھا۔

"کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی دیکھ رہے ہو۔" ڈپو نے اشارہ کیا۔ "بس مجرم نے یہاں سے جست لگائی اور کمرے میں پہنچ گیا۔"

"تم تو جب بولتے ہو کفن پھاڑ کر بولتے ہو۔" محمود نے کہا "یہ ضرور ہے کہ مجرم کھڑکی کے راستے کمرے میں گیا ہوگا۔ مگر وہ کھڑکی تک کس طرح پہنچا۔؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"میں سمجھ گئی۔" فرحانہ بولی۔ "وہ اس پائپ کے سہارے اوپر گیا ہے۔"

"ٹھیک کہا۔" محمود فوراً بولا۔ "مگر سوال یہ ہے کہ وہ بچے کو لے کر کس طرح نیچے اُترا ہوگا۔ کیونکہ بچے کو لے کر پائپ کے سہارے نیچے اترنا مشکل ہے۔"

"میں بتاؤں۔" ڈپو نے پھر دخل دیا۔

"تم بھی بولو۔" محمود نے کہا۔ "مگر قاعدے کی بات۔"

"اس نے بچے کو نیچے پھینک دیا ہوگا اور بعد میں پائپ کے

سہارے خود اُتر آیا ہو گا۔" ڈیو نے انکشاف کیا۔

"یار حماقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" محمود جل کر بولا۔
"اتنی اونچائی سے گِر کر بچہ زندہ رہ سکتا ہے ؟"

"ڈیو کی بات بڑی حد تک ٹھیک ہے۔" فرحانہ سوچتی ہوئی بولی۔

"یا وحشت !" محمود سر پر ہاتھ مار کر بولا۔ کیا آج تمہاری عقل بھی چرنے گئی ہوئی ہے۔"

"جی نہیں ! بھیجا تمہارا خالی ہو گیا ہے۔" فرحانہ نے جواب دیا۔ "ڈیو کی بات اس لئے درست ہے کہ نیچے ایک اور آدمی کھڑا ہو گا جس نے بچے کو ہاتھوں پر تھام لیا ہو گا۔"

"اوہ ...." محمود ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "اس پہلو پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ "بلاشبہ ایسا ہی ہوا ہو گا۔ اور اس جگہ دو آدمیوں کے پیروں کے نشانات بھی ضرور ہوں گے۔"

ڈیو جھک کر زمین کا جائزہ لینے لگا۔ فرحانہ بولی۔ "بیکار ہے پیروں کے نشانات نہیں مل سکتے۔"

"کیوں ـــ ؟" محمود نے پوچھا۔

"اس لئے کہ زمین سخت ہے۔" فرحانہ نے کہا۔ "اور اگر خفیف سے نشانات ہوں گے بھی تو ہم لوگوں کے پیروں کے نشانات نے انہیں ختم کر دیا ہو گا۔

اسی وقت انسپکٹر خورشید آ گئے۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ۔۔۔؟"

"ہم لوگ یہ معلوم کر رہے تھے کہ مجرم کمرے میں کس طرح داخل ہوا۔ اور پھر بچے کو لے کر کیسے باہر نکلا ۔۔۔؟" فرحانہ نے کہا۔

"بہت خوب!" انسپکٹر خورشید بولے۔ "اس کیس کا بنیادی پہلو یہی ہے۔ بہر حال تم لوگوں نے کیا معلوم کیا؟"

"ہمارا خیال ہے وہ دو آدمی رہے ہوں گے۔" محمود کہنے لگا۔ "ایک آدمی پائپ کے سہارے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہوا۔ اس نے کمرے میں پہنچ کر بچے کو بیہوش کیا اور نیچے پھینک دیا۔ جہاں دوسرا آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بچے کو دونوں ہاتھوں پر تھام لیا۔"

"تم لوگوں نے بالکل درست اندازہ لگایا ہے۔" انسپکٹر خورشید تعریفی انداز میں بولے۔ یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا کیونکہ دروازہ اندر سے بند پایا گیا۔ اور یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ مجرم کھڑکی کے راستے آیا اور اسی راستے سے باہر گیا۔"

"یہ میرا آئیڈیا ہے ابا جان۔" فرحانہ جلدی سے بولی۔

"انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے والی بات مت کرو" ڈپو بولا۔ "بچے کو نیچے پھینکنے والی بات میں نے بتائی تھی۔"

"جی ہاں۔" فرحانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری سراغرسانی کے

توڑ نکے پٹے ہوئے ہیں۔"

"بھئی لڑو مت!" انسپکٹر خورشید مسکرا کر بولے۔" چلو کار میں بیٹھو، مجھے دفتر میں کچھ ضروری کام کرنا ہیں۔ تمہیں گھر چھوڑتا ہوا نکل جاؤں گا۔"

راستے میں محمود نے کہا۔" ابّا جان! لڑکے کے اغوا کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سرجن سلطان کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔"

فرحانہ بولی۔" اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ جن لوگوں نے بچے کو اغوا کیا ہے وہی سرجن سلطان کے اغوا کے ذمہ دار ہیں۔"

"مگر سوال یہ ہے وہ کون لوگ ہیں۔ اور اغوا کی ان وارداتوں سے ان کا مقصد کیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"مقصد بھی جلد معلوم ہو جائے گا۔" انسپکٹر خورشید بولے۔" جب جرم نظر میں آجائے تو مجرم بھی زیادہ عرصے تک چھپا نہیں رہ سکتا۔"

"ابّا جان! کیا ہمیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ سرجن سلطان اور ان کے لڑکے کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی؟"

"ان کا ارادہ قتل کا ہوتا تو یہیں کر دیتے۔" فرحانہ نے جواب دیا۔" ہو سکتا ہے چند روز میں ان کی طرف سے بھاری

رقم کا مطالبہ ہو۔"

اسی وقت گاڑی گھر کے قریب پہنچ گئی۔ وہ تینوں اُتر گئے اور انسپکٹر خورشید دفتر چلے گئے۔

ڈیو بولا۔ "چلو تابوط سے ملاقات کرتے ہیں۔"

محمود اور فرحانہ نے اقرار میں سر ہلایا اور ذرا دیر بعد تینوں تابوط کے کمرے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ مگر تابوط کمرے میں موجود نہیں تھا۔ البتہ کمرے کے فرش پر ایک کبوتر غٹر غوں ...... غٹر غوں کر کے ناچ رہا تھا۔ کبوتر بے حد خوبصورت تھا بلکہ ایسا شاندار کبوتر انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محمود بولا۔ "اسے پکڑنا چاہیئے۔"

"میں پکڑتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈیو صوفے کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا۔ اور پھر جونہی وہ کبوتر کے قریب پہنچا، یکایک اس سے آگ کا شعلہ بلند ہوا اور ڈیو چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس جگہ تابوط کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ڈیو سے ہنس کر بولا۔

"ڈر گئے یار!"

"خدا کی قسم۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے۔" ڈیو گرم ہو کر بولا۔ "وہ آگ میرے کپڑوں میں بھی لگ سکتی تھی یار!"

"ڈیو میاں! وہ بے ضرر آگ تھی۔" تابوط نے کہا۔ "تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"یہ بتاؤ، پرائیویٹ سراغرسانی کے لائسنس کا کیا ہوا۔؟"
فرحانہ نے دریافت کیا۔

"میں پولیس ہیڈ آفس سے فارم لے آیا تھا" تابوط نے کہا "اُسے پُر کر کے اور مطلوبہ ڈاکومنٹس نتھی کر کے آج ہی پوسٹ کیا ہے چند روز میں انٹرویو لیٹر آجائے گا۔"

"واہ بھئی واہ!" محمود بولا۔ "الگ ہی الگ سب کام کر لئے، ہمیں بتایا بھی نہیں۔"

"اس میں بتانے والی کوئی بات ہی نہیں تھی" تابوط نے کہا۔ "فارم بھرنے کا طریقہ کلرک نے بتا دیا تھا۔ مطلوبہ کاغذات فراہم کر کے میں نے اسے پوسٹ کر دیا۔ ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں میرے پاس موجود ہیں۔ تم لوگ دیکھ لو۔" یہ کہہ کر اس نے ایک لفافہ محمود کی طرف بڑھا دیا۔

تینوں نے دیکھا۔ اس میں ایم اے اور ایل ایل بی کی اسناد کیریکٹر سرٹیفکیٹ، میڈیکل رپورٹ، شناختی کارڈ اور اسی نوعیت کے دیگر کاغذات تھے۔

"یعنی تم ایم اے ہو گئے" ڈبل پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔
"ایل ایل بی بھی" محمود بولا۔ "جناب وکیل بھی ہو گئے ہیں۔"
"بات وکالت کی نہیں ہے" تابوط کہنے لگا" فارم میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ امیدوار کو ایل ایل بی ہونا چاہیئے۔ مقصد

یہ ہے کہ وہ قانونی پیچیدگیوں کو سمجھتا ہو اور اس کی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل کر چکا ہو۔"

"کمال ہے" ڈپو فرید کا غذات دیکھتا ہوا بولا۔ "یعنی کیریکٹر سرٹیفکیٹ، شناختی کارڈ سب ہی کچھ ہے اور تمام ڈاکومنٹس بالکل اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ آخر تم نے یہ کہاں سے پیدا کیے؟"

"یار ڈپو" قابوط نے کہا۔ "جب مجھ سے بے موسمی پھلوں کی فرمائش کرتے ہو اور سردیوں میں لپ لپ آم کھاتے ہو۔ اس وقت نہیں پوچھتے یہ کہاں سے پیدا کیے ہیں"

"اس وقت ڈپو کو صرف پیٹ بھرنے کا دھیان رہتا ہے۔" فرحانہ چہک کر بولی۔

"آپ خاموش رہیے بی چھپکلی!" ڈپو مٹک کر بولا۔

"بہت اچھا بھائی گینڈے۔" فرحانہ بھی اسی انداز میں بولی۔

"دیکھو قابوط اس فرحانہ کی بچی نے مجھے گینڈا کہا ہے۔"

"میں حساب برابر رکھتی ہوں۔ تم نے مجھے بی چھپکلی کہا۔ میں نے بھائی گینڈے کہہ دیا۔"

"لڑائی بند کرو۔" قابوط ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر وہ ڈپو سے مخاطب ہوا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں جن ہوں۔ اور جنوں میں کچھ پراسرار قوتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں دنیا کا ہر کام کر سکتا ہوں۔ سوائے اس

کے کہ مُردے کو زندہ کردوں۔ کیونکہ موت اور زندگی صرف خدا کے اختیار میں ہے۔"

"اس موٹے کی موٹی عقل میں خاک آئے گا۔" محمود نے کہا۔

"تم یہ بتاؤ کہ سراغرسانی کے لائسنس کے سلسلے میں اب کیا کرنا ہوگا۔ کب تک مل جائے گا؟"

"زیادہ دن نہیں لگیں گے۔" قابوط نے جواب دیا۔ "چند روز میں انٹرویو کے لئے بلایا جائے گا اور اس کے بعد لائسنس ایشوع کردیا جائے گا۔ اور ہاں سرجن سلطان کا کیا بنا؟"

"سرجن سلطان ابھی تک لاپتہ ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔ "اب ان کا بچہ بھی غائب کردیا گیا ہے۔"

"اوہ ...." قابوط بھنویں اچکا کر بولا۔ "کوئی لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"شاید وہ لوگ سرجن سلطان اور بچے کے عوض کوئی بڑی رقم طلب کریں گے۔" ڈیو نے کہا۔

"میرے خیال میں معاملہ رقم کا نہیں ہے۔" فرحانہ بولی۔ "سرجن سلطان کو انہوں نے کسی اور مقصد سے اغوا کیا ہے۔"

"تم تو ہر بات میں پیچیدگی پیدا کرنے کے لئے تیار بیٹھی رہتی ہو۔" ڈیو کہنے لگا۔ "سیدھے سادے معاملے کو الجھانے کی کوشش نہ کرو۔"

"صورت حال خواہ کچھ بھی ہو۔" محمود بولا۔ "ابّا جان اس کیس پر پوری سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ امید ہے مجرم جلد منظرِ عام پر آجائیں گے۔"

"اب چلو!" فرحانہ بولی۔ "امّی آواز دینے ہی والی ہونگی"

"آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"اوہ..." تابوط نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں نے دفتر کے لئے جگہ حاصل کر لی ہے۔ پروگرام یہ ہے کہ کل اسے فرنیچر وغیرہ سے آراستہ کریں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" فرحانہ نے کہا۔ اس کے بعد وہ تینوں نیچے آگئے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سُن کر فرحانہ ڈرائنگ روم طرف چلی گئی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو...!"

"میں سرجن سلطان بول رہا ہوں۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "انسپکٹر خورشید سے بات کرا دیجیے...!"

پراسرار صندوقچی

سرجن سلطان کا نام سن کر فرحانہ چونک گئی۔ جلدی سے بولی
"آپ وہی سرجن سلطان بول رہے ہیں جو چند روز قبل لاپتہ ہو گئے تھے۔؟"
"ہاں ہاں۔ میں وہی ہوں۔ ذرا انسپکٹر خورشید کو فون پر بلا دو۔"
فرحانہ ریسیور رکھ کر تیزی سے انسپکٹر خورشید کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ "ابا جان آپ کا فون ہے۔ سرجن سلطان مل گئے ہیں۔"
"اچھا۔۔!" انسپکٹر خورشید ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔
"کس نے اطلاع دی ہے؟"
"وہ خود بول رہے ہیں۔" فرحانہ نے بتایا۔
انسپکٹر خورشید نے ریسیور اُٹھا لیا۔ "ہیلو۔۔۔۔ انسپکٹر خورشید بول رہا ہوں۔"
"السلام علیکم! میں سرجن سلطان بول رہا ہوں۔ آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ میں گھر واپس آ گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ میری گمشدگی کا کیس آپ کے پاس ہے۔ اس لئے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھا۔"
"آپ کے بچے کو بھی اغوا کر لیا گیا تھا۔" انسپکٹر خورشید نے کہا
"جی ہاں۔ میرے ساتھ وہ بھی واپس آ گیا ہے۔"

"یہ معاملہ کیا تھا۔ آپ کو کن لوگوں نے اغوا کیا تھا؟"
دوسری جانب چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر سرجن سلطان کی آواز آئی۔" وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ میرے اور میرے بچے کے عوض پانچ لاکھ کا مطالبہ کرنے والے تھے۔ لیکن میں ایک ملازم کی مدد سے اس سے پہلے ہی وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

"بہت خوب!" انسپکٹر خورشید پُرمسرت لہجے میں بولے۔ "ان کی قید میں آپ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔"

"بالکل نہیں۔" سرجن سلطان نے فوراً جواب دیا۔" ان لوگوں نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ البتہ رقم نہ ملنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی تھی۔"

"آپ اس جگہ سے ضرور واقف ہوں گے جہاں آپ کو رکھا گیا تھا۔" انسپکٹر خورشید نے کہا" براہِ کرم آپ رہنمائی کریں میں مجرموں کو فوراً گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔"

"افسوس میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کیوں ۔۔۔؟" انسپکٹر خورشید نے تعجب سے کہا۔

"اُنہوں نے مجھے جہاں بھی رکھا تھا۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے گئے تھے" سرجن سلطان کہنے لگے۔" اس ملازم نے فرار کے معاملے میں بھی یہ شرط رکھی تھی کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں سے چلنا ہو گا۔ شاید اس لئے کہ یہ اس کی اپنی سلامتی کا معاملہ تھا وہ اس جگہ کو

پولیس کی نظر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ بہرحال مجھے آنکھوں پر پٹی باندھنے سے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ مجھے تو آزادی چاہیئے تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور وہ مجھے ٹیکسی میں اسٹیشن روڈ پر چھوڑ گیا۔"

"پھر تو ان لوگوں کی تلاش کافی مشکل ہو جائیگی" انسپکٹر خورشید فکرمند لہجے میں بولے۔ "مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ مجرموں کا ملازم آپ سے کیوں کر مل گیا۔ اُسے آپ کی مدد کرنے سے کیا دلچسپی تھی ۔۔۔؟"

"میں بتاتا ہوں۔ دراصل کچھ عرصہ قبل میں نے اس کی ماں کا آپریشن کیا تھا جو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ آپریشن کے بعد اللہ نے اُسے شفا دی۔ چنانچہ وہ میرا احسان مند ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مجرموں کی قید میں اس نے مجھے پہچان لیا اور میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔" سرجن سلطان نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق سراسر غلط بیانی سے کام لیا۔

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر خورشید نے کہا "براہ کرم آپ کسی وقت میرے دفتر تشریف لائیے۔ اور اپنا تفصیلی بیان قلمبند کرا دیجئے۔ پھر اس کی روشنی میں دیکھا جائیگا کہ مجرموں کی گرفتاری کے سلسلے میں ہم کیا کیا اقدامات کر سکتے ہیں۔"

اس گفتگو کے بعد "خدا حافظ" کا تبادلہ ہوا۔ پھر انسپکٹر خورشید

نے ریسیور رکھ دیا۔ مگر ان کی آنکھوں میں نکر و تردد کے سائے رقصاں تھے۔ فرحانہ نے پوچھا" کیا ہوا ابا جان ؟ کیا سرجن سلطان نے کوئی اہم انکشاف کیا ہے۔"

" اگر وہ کوئی اہم انکشاف کرتے تو بات آسان ہو جاتی" انسپکٹر خورشید بولے" مشکل یہ ہے کہ انہوں نے کوئی انکشاف ہی نہیں کیا۔"

" وہ گھر آ گئے ہیں ؟" محمود نے پوچھا۔

" ہاں۔ وہ گھر ہی سے بات کر رہے تھے مگر وہ یہ نہیں بتا سکے کہ انہیں کن لوگوں نے اغوا کیا تھا اور ان کا ٹھکانہ کہاں ہے کیونکہ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس عمارت میں لے جایا گیا تھا اور اسی صورت میں واپسی ہوئی۔" انسپکٹر خورشید نے بتایا۔

" ابا جان۔ پانچ لاکھ کی بھی کوئی بات فون پر ہو رہی تھی !" فرحانہ نے کہا" وہ کیا معاملہ ہے۔ شاید مجرموں نے ان کی رہائی کے عوض یہ رقم طلب کی ہو گی۔"

" تمہارا خیال درست ہے۔" انسپکٹر خورشید بولے" اغوا کنندگان ان کی اور بچے کی رہائی کے عوض پانچ لاکھ کی رقم مانگ رہے تھے لیکن اس سے پہلے ہی ایک ملازم نے انہیں وہاں سے فرار کرا دیا جس کی ماں کا کچھ عرصہ قبل انہوں نے آپریشن کیا تھا اور اس سلسلے میں وہ سرجن سلطان کا احسانمند تھا"

" آپ کے لہجے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کو سرجن سلطان کے

اس بیان پر شک ہے"۔ فرحانہ نے کہا

"ہاں ــــــ!" انسپکٹر خورشید پُر خیال انداز میں بولے "میں سمجھتا ہوں وہ کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

"مجرموں کے بارے میں؟" محمود نے کہا۔

"ظاہر ہے اس کا تعلق مجرموں ہی سے ہو سکتا ہے"۔

"مگر سوال یہ ہے"۔ فرحانہ کہنے لگی۔ "سر جن سلطان ایک معزز اور ذمہ دار شہری ہیں۔ انہیں مجرموں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور وہ کوئی ایسی بات کیوں چھپا سکتے ہیں جو اغوا کنندگان کی گرفتاری میں معاون ثابت ہو سکتی ہے"۔

"مجھے اسی پہلو پر غور کرنا ہو گا"۔ انسپکٹر خورشید نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

اس وسیع کمرے میں ایک درجن افراد موجود تھے۔ ان میں بعض سنجیدہ اور کچھ چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آتے تھے۔ وہ ریوالور سے مسلح تھے اور ان کے چہروں پر وحشت اور کرختگی صاف نظر آتی تھی۔ وہ سب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کے حصے میں ایک اونچی پشتگاہ والی کرسی رکھی ہوئی تھی جو ابھی تک خالی تھی۔

یکایک دروازے کا سرخ پردہ ہلا اور ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر نے ہاتھ کے اشارے

سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اس کے پیچھے جا کر وہ پشت پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ بڑا اسمارٹ اور تروتازہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بہترین تراش خراش کا سوٹ پہن رکھا تھا اور بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت اس کا سر گنجا نہیں تھا بلکہ اُس پر سیاہ بالوں کی وِگ رکھی ہوئی تھی جس نے اس کی عمر کو کافی کم کر دیا تھا۔

ڈاکٹر نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے افراد پر ایک سرسری نظر ڈالی اس کے بعد دونوں ہاتھ پشت پر رکھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اور ساتھ ساتھ کہنے لگا۔

"میں تم سب لوگوں کا مشکور ہوں کہ میرے ساتھ تعاون کیا جس کی بدولت مجھے کامیابی نصیب ہوئی اور میں نے ایک ایسی چیز حاصل کر لی جس کا دنیا میں ثانی نہیں ہے اور جو کہ سائنس کی ایجادات میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اگرچہ میں تم لوگوں کو خدمات کا حسب خواہش معاوضہ دیتا رہا ہوں لیکن اب جبکہ میں کامیاب ہو گیا ہوں تو تمہیں نوازنا چاہتا ہوں۔ مالا مال کر دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے ملازمین کو غیر نہیں سمجھتا۔ اپنا سمجھتا ہوں۔ اپنی ہی ذات کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔"

ڈاکٹر اتنا کہہ کر چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔ پھر وہ کرسی

پر آکر بیٹھ گیا۔ اور دوبارہ کہنے لگا "میری اس ایجاد کا تم سب لوگوں کو علم ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سے بے پناہ دلچسپی رکھتے ہو اور اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے کے لیے بے چین ہو۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے اپنے سر سے وگ اتار کر سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھ دی اور جب اس نے گردن گھمائی تو شفاف کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ایک آنکھ نمایاں نظر آ رہی تھی جس کی پتلیاں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور جو بالکل انسانی آنکھ کی مانند تھی۔

ڈاکٹر دوبارہ کہنے لگا۔

یہ بہت عرصے کی بات ہے جب ایکسرے کی تکنیک کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایک ایسی چیز ایجاد کی جائے جو ٹھوس چیزوں کے پار دیکھ سکے۔ اور چھپی ہوئی اشیاء کا پتہ چلا سکے۔ اس وقت میرے ذہن میں تیسری آنکھ کا خیال آیا تھا اور اس کے لیے سر کے پچھلے حصے کو منتخب کیا تھا جیسا کہ اس وقت میری تیسری آنکھ اپنی جگہ موجود ہے۔ اس وقت میں امریکہ میں تھا۔ میں نے ایک سائنسدان کے ساتھ مل کر اور زر کثیر خرچ کر کے تیسری آنکھ کی تخلیق کے سلسلے میں کئی تجربات کئے مگر ہر مرتبہ کامیابی کے قریب ہوتے ہوتے رہ گیا۔ مسلسل ناکامی سے میں بددل تو نہیں ہوا تاہم کچھ عرصے کیلئے تجربات ملتوی کر دیئے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس ضمن میں میری تحقیق ناکافی ہے اور یہ کہ مزید ریسرچ کی ضرورت ہے۔ اس دوران میں میرا

معادن سائنس دان فوت ہو گیا۔ اس کے علاوہ مجھے بھی کچھ دیگر مصروفیات نے گھیر لیا اس لئے تیسری آنکھ کے سلسلے میں کچھ زیادہ پیش رفت نہیں ہو سکی۔

اگر میں اپنی کامیابی کے سلسلے میں یہ کہوں کہ اس میں میرے خاندانی پس منظر کا زیادہ دخل رہا تو بے جا نہ ہو گا۔ تم سب لوگ مجھے ڈاکٹر کے نام سے جانتے ہو۔ دوسرے الفاظ میں میں نے خود کو اسی نام سے متعارف کرایا ہے۔ لیکن آج میں اپنی زندگی کے واقعات کا تفصیل سے ذکر کرونگا۔ تمہیں بتاؤں گا کہ میرا اصلی نام کیا ہے۔ کہاں پیدا ہوا۔ کہاں پرورش پائی اور میرے ساتھ کس نوعیت کے واقعات پیش آئے"۔

وہ چند ثانیے خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد دوبارہ کہنے لگے۔

"میرا ایک نام ڈاکٹر داؤد اور دوسرا انھونی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ میرے باپ نے میرا نام داؤد رکھا اور ماں نے انھونی تجویز کیا۔ ایک شخصیت کے دو مختلف نام سن کر تم لوگوں کو یقیناً حیرت ہو رہی ہو گی۔ درحقیقت میری زندگی عجیب و غریب قسم کے حالات و حادثات کا مجموعہ ہے۔ میرا باپ انتہائی دولت مند شخص تھا۔ اس نے تیس سال کی عمر میں شادی کی۔ لیکن کافی عرصہ گزر جانے کے باوجود کوئی اولاد نہیں ہوئی"۔

"ایک مرتبہ میرا باپ کاروبار کے سلسلے میں امریکہ گیا۔ وہاں

اس نے ایک امریکن عورت سے شادی کرلی جس کے نتیجے میں میں پیدا ہوا۔ اس طرح میں باپ کی طرف سے ایشیائی اور ماں کی طرف سے امریکن ہوں۔ میرا باپ چونکہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا چنانچہ میری پیدائش پر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی لیکن اس کی یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہو سکی کیونکہ کچھ عرصے بعد دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ طلاق کے بعد ان کے مابین ایک نیا جھگڑا شروع ہو گیا۔ میرا باپ مجھے اپنے ساتھ وطن لے جانا چاہتا تھا اور ماں اپنے پاس رکھنے پر بضد تھی۔ معاملہ کورٹ میں گیا اور میری ماں کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ میرا باپ ناکام ہو کر وطن واپس چلا گیا لیکن اس نے مجھے فراموش نہیں کیا۔ میری تعلیم و تربیت کے لئے بھاری رقوم بھیجتا رہتا اور سال میں ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کے لئے امریکہ آتا اور دو ڈھائی مہینے ساتھ گزار کر وطن واپس چلا جاتا۔ اس نے مجھے بھی کئی بار اپنے ساتھ وطن لے جانا چاہا لیکن میری ماں نے اجازت نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ میں امریکہ ہی میں جوان ہوا اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ میں سائنسدان بننا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں کئی ملکوں کا دورہ کیا اور وہاں سے سائنس کی اعلیٰ تعلیم اور ڈگریاں حاصل کیں۔ میرے تعلیمی اخراجات میرا باپ برداشت کرتا رہا۔ جوان ہونے کے بعد اس سے میری خط و کتابت بھی شروع ہو گئی تھی۔ میری کیفیت یہ تھی کہ باپ سے بھی بے انتہا محبت کرتا تھا اور

ماں سے بھی۔ اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں نے مجھے ایک دوسرے کے خلاف کبھی نہیں ورغلایا۔ ماں کے انتقال کے بعد میرا دُنیا میں صرف ایک باپ رہ گیا تھا۔ میں چونکہ اس کی واحد اولاد تھا چنانچہ اب وہ مجھے اپنے پاس بُلانا چاہتا تھا اور میں بھی وطن جانے کا خواہشمند تھا۔ لیکن ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی مصروفیت سامنے آگئی اور ارادہ ملتوی ہوتا رہا۔"

"اس دوران میں باپ کے خطوط متواتر ملتے رہے جن میں کبھی طویل وقفہ پیدا ہو جاتا اور کبھی تسلسل سے خط وکتابت ہونے لگی۔ کئی خطوط میں اُس نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا کہ اس کے کچھ دشمن پیدا ہوگئے ہیں جو اُسے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ میں اِن دنوں تیسری آنکھ پر ریسرچ کر رہا تھا۔ اس لئے خواہش کے باوجود تجربات ادھورے چھوڑ کر اس کے پاس نہ جا سکا۔ اس کے خطوط سے مجھے اس بات کا اندازہ بھی ہوا کہ میرا باپ اپنے دشمنوں سے خوفزدہ ہے اور حالات کافی سنگین شکل اختیار کر گئے ہیں۔"

"انہی دنوں قتل کے ایک مقدمے میں ملوث ہو کر جیل چلا گیا اور مجھے ساڑھے چار سال کی سزا ہوگئی۔ اس دوران میں باپ نے مجھے آخری خط لکھا لیکن میں چونکہ جیل میں تھا لہٰذا خط تقسیم ہوئے بغیر ڈاک خانے میں واپس چلا گیا۔ ڈاک خانے والوں نے قاعدے کے مطابق اُسے خط بھیجنے والے کو واپس کرنا چاہا مگر خط پر میرے

باپ کا پتہ موجود نہیں تھا اس لئے ڈیڈ لیٹر آفس بھیج دیا گیا۔

پانچ سال گزر گئے۔ امریکہ کے ڈاک خانوں کا قاعدہ یہ ہے کہ ڈیڈ لیٹر آفس میں پانچ سال پرانے خطوط کو الیکٹرک کی بھٹی میں جھونک کر ضائع کر دیا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے آخری مرتبہ مکتوب الیہ کے پتے پر روانہ کیا جاتا ہے کہ شاید اس مرتبہ خط وصول ہو جائے۔ چنانچہ والد کا پانچ سال قبل کا لکھا ہوا خط نذر آتش کئے جانے سے پہلے میرے پتے پر آیا۔ اس وقت میں ساڑھے چار سال کی سزا کاٹ کر گھر واپس آچکا تھا۔ پوسٹ مین نے خط دیا تو میں حیران رہ گیا۔ لفافے پر بے شمار مہریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے لفافہ پھاڑ کر خط نکالا تو اس پر پانچ سال پہلے کی تاریخ پڑی ہوئی تھی۔ میں نے خط پڑھنا شروع کیا۔ میرے باپ نے لکھا تھا۔

"بیٹے! میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب تو امید بھی ٹوٹ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ میرا آخری خط ہو خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ دشمن میری تاک میں ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے اگلی صبح کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔ ایک دو نہیں میرے کئی دشمن ہیں۔ حالات ایسے ہیں کہ میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قانون بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں اپنے دشمنوں کی فہرست مرتب کر رہا ہوں۔ تمہیں وہ فہرست جلد روانہ کر دوں گا۔

کچھ تفصیلات مجھے معلوم ہوگئی ہیں اور چند دشمنوں کے نام
بھی معلوم ہوئے ہیں۔ یہ تفصیلات خطرے کے پیشِ نظر
میں نے اپنی جیب میں نہیں رکھی ہیں۔ وہ کاغذ اس عمارت
کے ایک حصے میں زمین میں دبا دیا ہے۔ جیسے ہی مزید
تفصیلات موصول ہوئیں اس پر تحریر کر کے تمہیں روانہ کر
دوں گا۔ لیکن تم اس کا انتظار مت کرو۔ فوراً میرے پاس
آجاؤ۔" فقط تمہارا باپ!

خط پڑھ کر میں سناٹے میں رہ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ کچھ ہوگیا
ہے، کچھ ہو چکا ہے۔ میں فوراً ڈیڈ لیٹر آفس گیا اور اس بات کی انکوائری
کی کہ میری جیل کی مدت کے دوران والد کا کوئی اور لیٹر تو نہیں آیا؟
لیکن ایسا نہیں تھا۔ میرے ذہن میں اندیشے سر ابھارنے لگے کہ باپ
کسی حادثے کا شکار نہ ہوگیا ہو۔ چنانچہ میں نے فوراً روانگی کا پروگرام
بنایا اور امریکہ سے یہاں پہنچ گیا۔ میں اس ملک میں اجنبی تھا۔ نہ کسی سے
واقفیت تھی نہ کسی رشتے دار کا مجھے علم تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی صورت
مجھے معلوم ہوگیا کہ دشمنوں نے میرے باپ کو ختم کر دیا اور اسی رات
قتل کیا جس رات میرے باپ نے مجھے خط لکھا تھا اور دشمنوں کے نام
کی فہرست زمین میں دفن کر دی تھی۔ اب مجھے اس فہرست کی تلاش تھی۔
میں اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتا تھا اور وہ فہرست
اس عمارت کے کسی حصے میں دفن تھی جہاں والد کو قتل کیا گیا تھا۔ میں نے

مزید تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ عمارت حکومت نے لاوارث قرار دے کر اپنی تحویل میں لے لی ہے۔

میں نے فوراً متعلقہ محکمے سے رابطہ قائم کیا اور اپنے باپ کی عمارت کو خود ہی خرید لیا۔ کیونکہ میرے پاس اپنی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں غیر ملکی تھا اور اولاد ہوتے کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ میرے پاس والد کے چند خطوط تھے مگر ان کی بنیاد پر مجھے بیٹا تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ کوئی شخص بھی کسی کو بیٹا کہہ کر مخاطب کر سکتا ہے۔ یا اس کے نام خط لکھ سکتا ہے۔ یہ وہی عمارت تھی جس میں اس وقت ہم موجود ہیں۔ بہر کیف اس عمارت میں منتقل ہونے کے بعد میں نے دشمنوں کی فہرست کی تلاش شروع کر دی۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک کدال خرید لیا۔ اب دن رات میرا یہی مشغلہ تھا کہ جگہ جگہ زمین کھودتا اور وہ نقشہ تلاش کرتا۔ لیکن مجھے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ایک روز اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ اگر میں اپنے تجربات شروع کر دوں اور ٹھوس چیزوں کے پار دیکھنے والی ایٹمی آنکھ ایجاد کر لوں تو دشمنوں کی فہرست تلاش کرنا مشکل نہیں رہے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تجربات شروع کر دیئے اور چھ سال کی طویل جدوجہد کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

آج میری تیسری آنکھ تمہارے سامنے ہے۔ میں ٹھوس چیزوں کے پار دیکھ سکتا ہوں۔ اس سلسلے میں میرے پاس ایک وسیع پروگرام ہے۔

لیکن سب سے پہلے میں اپنے باپ کے قاتلوں کی فہرست حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں تلاش کروں گا۔ ان کے جسم کا ایک ایک حصّہ الگ کر دوں گا اور ایسی اذیتیں دے کر ہلاک کروں گا کہ چنگیز خاں اور ہلاکو کی سفاکی بھی ماند پڑ جائے۔ انتقام لینے کے بعد میں دولت کے حصول کی طرف توجہ دوں گا۔ اور تم سب کو مالا مال کر دوں گا۔ دولت کے حصول میں یہ آنکھ بہترین معاون ثابت ہو گی۔ میں یہ دیکھ سکوں گا کہ لوگوں کی جیبوں، پرسوں، بریف کیس اور تجوریوں وغیرہ میں کیا ہے۔ لیکن یہ ایک گھٹیا طریقہ ہے اور پھر اس طرح بہت زیادہ دولت حاصل نہیں کی جا سکتی پولیس بھی پیچھے لگ سکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کام معیاری ہو اور ایک ہی کوشش میں اربوں روپے کما لوں۔"

"سر ایسا کون سا طریقہ ہے؟" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر ڈاکٹر سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں۔" وہ کہنے لگا۔ "مجھے آثارِ قدیمہ سے بھی دلچسپی رہی ہے اہرامِ مصر دنیا بھر میں سرِ فہرست ہیں جہاں فرعون بادشاہوں کے زیرِ زمین مقبرے ہیں، جن میں کھربوں روپے کی دولت دفن ہے اس ضمن میں لکسر اور تھیبس کے علاقے قابلِ ذکر ہیں جہاں ملکہ شہزادیوں اور فرعون بادشاہوں کے مقبرے ہیں۔ اگرچہ وہاں بھی وسیع پیمانے پر ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے کھدائی کی ہے۔ سینکڑوں مقبرے اور کھربوں روپے کا سونا اور جواہرات وغیرہ برآمد کیے ہیں لیکن ابھی تک لاتعداد

مقبرے اور بے شمار دولت سرزمین مصر کی آغوش میں دفن ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن وہ مقبرے کافی گہرائی میں اور نامعلوم مقامات پر ہیں۔ اس لیئے انسانی دسترس سے دور ہیں۔ لیکن میں اپنی ایٹمی آنکھ سے ان مقبروں کو دیکھ سکتا ہوں اور وہاں کھدائی کر کے کھربوں روپے کے سونے اور زرو جواہر کا مالک بن سکتا ہوں۔ لیکن یہ بعد کا پروگرام ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے نامعلوم دشمنوں کی فہرست حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جو اسی عمارت میں کسی جگہ دفن ہے۔ پھر انہیں تلاش کر کے میرے پاس لانا تمہارا کام ہے اور ان کے جسموں کے ٹکڑے کرنا میرا کام ہے۔ میں ان کے خاندان کے ایک ایک بچے کو ذبح کر دوں گا۔"

"سر!" ایک آدمی اپنی جگہ سے بولا۔ "ہم آپ کے دشمنوں کو تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔"

"لیکن جناب!" دوسرا آدمی بولا۔ "اگر آپ کے والد صاحب نے وہ کاغذ اسی طرح زمین میں دفن کر دیا ہے تو شاید ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد محفوظ نہ رہا ہوگا۔"

"کسی کام کے آغاز سے پہلے ہی ناکامی کی بات نہیں سوچ لینی چاہیئے۔" ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔ "آج بلکہ اسی وقت سے میں فہرست کی تلاش کا کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔ دو آدمی میرے ساتھ رہیں گے جو میری بتائی ہوئی جگہ پر کھدائی کریں گے۔"

"سر! کیا آپ اپنی اس ایجاد سے پوری طرح مطمئن ہیں۔؟" ایک اور شخص نے پوچھا۔

"ہاں۔!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "میں اسے آزمائش سے گزار چکا ہوں۔ تم لوگ بھی آزما سکتے ہو۔"

ایک آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹھی باہر نکالی۔ پھر ڈاکٹر سے پوچھا۔ "سر! ذرا یہ بتایئے میری مٹھی میں کیا ہے۔؟"

ڈاکٹر فوراً ہی گھوم گیا۔ اب ایٹمی آنکھ سامنے تھی۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر نے اپنا رُخ سامنے کی جانب کر لیا اور مسکرا کر بولا۔

"تمہاری مٹھی میں ایک عدد ٹائی پن ہے جو امریکہ میں بنا ہوا ہے اور گولڈن کلر میں ہے۔"

اس شخص نے مٹھی کھول دی۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔ ڈاکٹر کی بتائی ہوئی تفصیلات بالکل درست تھیں۔

ایک شخص نے اپنا پرس نکال لیا اور بولا۔ "سر آپ بتا سکتے ہیں اس پرس میں کیا کیا چیزیں ہیں۔؟"

ڈاکٹر نے پھر وہی عمل دہرایا۔ اس مرتبہ ذرا دیر لگی۔ کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا۔ "تمہارے پرس میں سو کے پانچ، دس کے تین اور ایک ایک کے چار نوٹ ہیں۔ اس کے علاوہ پرس میں تمہاری تصویر بھی موجود ہے۔ تین عدد وزیٹنگ کارڈ ہیں۔ ایک لانڈری کی رسید اور کچھ دوسرے کاغذات ہیں۔"

اس آدمی نے پرس کھولا تو یہی تمام چیزیں موجود تھیں۔ اسی وقت ایک اور شخص نے ہاتھ بلند کیا۔

"سر میری مٹھی میں کیا ہے؟"

ڈاکٹر نے اپنی تیسری آنکھ سے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے ہنس کر بولا۔ "تمہاری مٹھی خالی ہے۔"

واقعی اس کی مٹھی خالی تھی۔ ڈاکٹر دوبارہ کہنے لگا "کھیل ختم! اب میں کام کا آغاز کر رہا ہوں۔ دو آدمی کدال اٹھا کر میرے ساتھ آجائیں اور جس جس جگہ کی میں نشاندہی کروں وہاں کھدائی کرتے جائیں۔"

دو آدمی فوراً اٹھ گئے۔ ڈاکٹر انہیں لے کر عمارت کے احاطے میں چلا گیا۔ وہ ایک ایک انچ زمین کو شیشے کی طرح دیکھ رہا تھا اور کافی گہرائی تک نیچے کے حالات صاف نظر آرہے تھے۔ وہ ایک گھنٹے تک مصروف رہا لیکن کوئی قابلِ ذکر چیز دکھائی نہیں دی۔

یکایک وہ اچھل پڑا۔ اور پر جوش انداز میں چیخنے لگا۔

"مل گئی۔۔۔ مل گئی۔۔۔!!"

"باس! کیا فہرست مل گئی۔۔۔؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"اس میں فہرست ہی ہو سکتی ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی منقش صندوقچی ہے۔ تم اس جگہ کھدائی کرو۔۔"

دونوں آدمی نشان زدہ زمین کو کدال سے کھودنے لگے۔

کافی وقت لگ گیا وہ پانچ فٹ کی گہرائی تک کھود چکے تھے مگر ابھی تک صندوقچی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک آدمی بولا۔

"سر! آپ کے والد نے اتنی گہرائی میں وہ کاغذ دفن کیا ہوگا؟"

"بکومت! اپنا کام کرو۔" ڈاکٹر کو اس کی قیاس آرائی پر غصّہ آ گیا۔

وہ لوگ پھر کھدائی کرنے لگے۔ سات فٹ کی گہرائی پر پہنچ کر آخر صندوقچی برآمد ہو گئی۔ ڈاکٹر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ خود گڑھے میں اُتر گیا اور احتیاط سے صندوقچی نکال لی۔ اس کے کنڈے میں ایک مضبوط قفل پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صندوقچی کو اپنے کمرے میں لے گیا اور تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے کئی چابیاں آزمائیں مگر تالا کافی پیچیدہ معلوم ہوتا تھا۔ صندوقچی وزنی بھی بہت تھی۔

ایک آدمی بولا۔ "سر نہ جانے اس میں کیا بھرا ہوا ہے۔ بہت بھاری ہے۔ ایک کاغذ کا اتنا وزن نہیں ہو سکتا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ڈاکٹر بولا "خیر تم ہتھوڑی لاؤ۔ تالا توڑنا پڑے گا۔"

ایک آدمی فوراً ہتھوڑی لے آیا۔ ڈاکٹر نے اس کی ضربات سے قفل توڑ دیا۔ اور پھر جونہی اس نے صندوقچی کا ڈھکن اوپر اٹھایا، سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

ــــــــــــ

بوسیدہ کاغذ

صندوقچی کے دو خانے تھے۔ ایک میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں اور دوسرے میں لعل وجواہر تھے جن کی چمک دمک نظروں کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔ کمرے میں موجود تمام لوگ متحیر نظروں سے صندوقچی کو گھور رہے تھے۔ ظاہر ہے یہ ایک غیر متوقع واقعہ تھا۔ صندوقچی سے مطلوبہ کاغذ کے بجائے خزانہ برآمد ہوا تھا۔

ڈاکٹر بھی حیرت زدہ تھا۔ چند لمحوں بعد کہنے لگا "ہوسکتا ہے میرے باپ نے قتل سے پہلے یہ مال و دولت میرے لئے زمین میں دفن کر دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے اشرفیوں وغیرہ کے نیچے وہ کاغذ موجود ہو جس کی مجھے تلاش ہے"!

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے صندوقچی الٹ دی۔ اشرفیاں اور جواہرات وغیرہ فرش پر ڈھیر ہو گئے جن کی مالیت کروڑوں روپے کے قریب تھی۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود صندوقچی میں کوئی کاغذ وغیرہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید اس میں ایسا کوئی خفیہ خانہ ہو جس میں دشمنوں کی فہرست والا کاغذ محفوظ کر دیا گیا ہو۔ لیکن اس ضمن میں بھی ڈاکٹر کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ بالکل عام صندوقچیوں کی مانند تھی بلکہ پرانے دور کی معلوم ہوتی تھی۔
کمرے میں موجود ایک آدمی اشرفی اٹھا کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ پھر چونک کر بولا۔ "سر! یہ مغل شہنشاہوں کے دور کی اشرفیاں ہیں۔ شاید کسی شہزادے یا امیر زادے نے زر و جواہرات سے بھری ہوئی یہ صندوقچی یہاں دفن کر دی ہو گی اور بعد میں اسے نکالنے کا موقع نہیں ملا ہو گا۔"

"اچھا۔!" ڈاکٹر ایک اشرفی اٹھا کر کہنے لگا۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن... مجھے یہ خزانہ ملنے کی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ اگرچہ یہ اشرفیاں اور جواہرات کروڑوں روپے کی مالیت کے ہیں لیکن مجھے اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش ہے۔"

"سر!" ایک آدمی بولا۔ "وہ کاغذ بھی کہیں نہ کہیں زمین میں دبا ہوا مل جائے گا۔"

"میں بھی نا امید نہیں ہوں۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "اب رات ہو گئی ہے، صبح پھر اس کاغذ کی تلاش شروع کر دوں گا۔ اور ہاں اس خزانے میں تم لوگوں کا حصہ بھی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے تمام اشرفیاں اپنے گروہ کے آدمیوں میں تقسیم کر دیں اور جواہرات وغیرہ اپنے لئے رکھ لئے۔ پھر بھی ایک ایک آدمی کے حصے میں کئی کئی لاکھ روپے کی اشرفیاں آئیں۔

گروہ کا ایک شخص ٹونی کہنے لگا۔ "سر! اس حیرت آنکھ کے

ذریعہ زمین میں دفن پوشیدہ خزانوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے ؟"
"کیوں نہیں ؟" ڈاکٹر بولا۔ "لیکن یہ ایک مشکل کام ہوگا۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ جگہ جگہ زمین میں اس قسم کی صندوقچیاں دفن ہوں۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی علاقے میں خزانہ دفن ہے تو اس کو تھوڑی سی کوشش کے بعد ضرور تلاش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے میں اپنے باپ کے قاتلوں کی فہرست ڈھونڈھ کر انہیں کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہوں۔"

اگلے روز علی الصبح ڈاکٹر نے کام کا آغاز کر دیا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے تیسرا پہر گذر گیا لیکن ڈاکٹر کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے ڈاکٹر کی تیسری آنکھ کو ایک درخت کی کھوکھلی جڑ میں ایک مٹیالی سی چیز دکھائی دی۔ اس نے فوراً درخت کی جڑ میں ہاتھ ڈال دیا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں پلاسٹک کی ایک میلی کچیلی سی تھیلی تھی۔ تھیلی کے اندر سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔ اسے دیکھ کر ڈاکٹر خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ وہی کاغذ تھا جس کی تلاش میں اس نے عمارت کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ اس نے جلدی سے کاغذ کی تہیں کھولیں لیکن یہ دیکھ کر انتہائی مایوسی ہوئی کہ طویل مدت گزر جانے کے باعث کاغذ بوسیدہ ہو کر گل گیا تھا اور الفاظ مٹ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے اپنی تیسری آنکھ استعمال کی مگر وہ کاغذ کے پار گذر گئی۔ کیونکہ وہ ٹھوس چیزوں کے پار ہی

دیکھ سکتی تھی۔ دھندلی اور مٹی ہوئی چیزوں کو دیکھنے پر قادر نہیں تھی۔
ڈاکٹر اپنے آدمیوں کے ساتھ کمرے میں آگیا۔ اس نے محدب شیشے سے کاغذ کا جائزہ لیا، مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اگرچہ کاغذ پر بہت کچھ لکھا ہوا تھا لیکن تمام الفاظ شکستہ ہو گئے تھے۔ پوری تحریر میں صرف ایک نام بڑی مشکل سے پڑھا جا سکا اور وہ تھا —— آفاق شیرازی ایڈووکیٹ!

"سر! یہ آفاق شیرازی آپ کے والد کا قانونی مشیر ہو سکتا ہے" گروہ کے ایک آدمی جبار نے کہا۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے"۔ ڈاکٹر پُر خیال انداز میں بولا۔ "میرے باپ نے آخری خط میں اپنے قانونی مشیر کا ذکر کیا تھا کہ وہ دشمنوں سے مل گیا ہے"۔

"سر!" ٹونی بولا۔ "اگر ہم ایڈووکیٹ شیرازی تک پہنچ جائیں تو پھر آپ کے والد کے قاتلوں کو تلاش کرنا مشکل نہ رہے گا۔ ہم اس سے سب کچھ اگلوا سکتے ہیں"۔

"گڈ!" ڈاکٹر خوش ہو کر بولا۔ "یہ اچھا طریقہ ہے۔ مگر ایڈووکیٹ شیرازی کو بھی تلاش کرنا پڑے گا"۔

"اس کی تلاش بہت آسان ہے"۔ جبار نے کہا۔ "کورٹ میں کسی بھی وکیل سے ہم اس کے دفتر کا پتہ دریافت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد وکیل کو یہاں تک لانا ہمارا کام ہے"۔

"ٹھیک ہے!" ڈاکٹر نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ "کل تم کورٹ جاؤ اور ایڈوکیٹ شیرازی کو یہاں لے آؤ۔ مگر یہ یاد رکھو اس کام میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم وکیل کو لے کر آؤ اور کچھ دیر بعد پولیس یہاں پہنچ جائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا سر! کیا اس سے پہلے میرے کسی کام میں کوتاہی پائی گئی ہے ــــ؟" ٹونی نے کہا۔

"نہیں، میں نے احتیاطاً یہ بات کہی ہے۔ اور وہ اس لئے کہ ایڈوکیٹ شیرازی ایک مرتبہ آنے کے بعد یہاں سے واپس نہیں جائے گا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی لاش کے ٹکڑے شہر کی مختلف سڑکوں پر پڑے ہوئے پائے جائیں گے۔"

لاش کے ٹکڑے

قابوط انٹرپرائز کے وسیع اور شاندار دفتر میں ایک پرتکلف تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں معززین شہر، اعلیٰ حکام اور آئی جی بھی شریک تھے۔ انسپکٹر خورشید، محمود، فرحانہ اور ڈپو بھی موجود تھے۔ ظاہر ہے ان کے بغیر یہ تقریب نامکمل ہی رہتی۔ یہ تقریب اس سلسلے میں منعقد کی گئی تھی کہ قابوط کو پرائیویٹ سراغرسانی کا لائسنس مل گیا تھا۔ اور آج آئی جی کے ہاتھوں قابوط انٹرپرائز کے دفتر کا افتتاح ہو رہا تھا محمود فرحانہ اور ڈپو اس تقریب میں بہت سرگرم تھے۔ قابوط کے ساتھ مل کر تمام انتظامات ان ہی لوگوں نے کئے تھے۔

تقریب کے اختتام پر آئی جی نے مختصر تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ "ملک میں پرائیویٹ سراغرسانی کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تعلیم یافتہ، پرجوش اور محب وطن نوجوان آگے بڑھیں۔ پولیس کا ہاتھ بٹائیں اور جرائم کا قلع قمع کرنے میں تعاون کریں۔"

آئی جی کی تقریر کے بعد یہ پرشکوہ تقریب اختتام پذیر ہو گئی۔ شرکاء نے قابوط کو مبارکباد دی اور اس کے جذبے کو سراہا۔ سب لوگوں کے جانے کے بعد دفتر میں قابوط، محمود، فرحانہ اور ڈپو رہ گئے۔ ڈپو بولا۔

"بھائی قابوط مبارک ہو تم پرائیویٹ سراغرساں بن گئے۔"

"غلط بات!" قابوط نے کہا۔ "ہم سب اس میں برابر کے شریک ہیں۔ بس لائسنس اور ادارہ میرے نام سے ہے ورنہ ہم کو مل کر کام کرنا ہو گا۔"

"بالکل!" فرحانہ بولی۔ "یوں سمجھ لو کہ اس ادارے کے چار ممبر ہیں۔ اور چیف مسٹر قابوط ہیں۔"

"ہمارے ادارے کو ایک اور خصوصیت حاصل ہے۔" محمود نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ ملک میں پرائیویٹ سراغرسانی کا پہلا ادارہ ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی کیس بھی آئے گا یا نہیں۔؟" ڈیلو نے کہا۔

"ناامیدی کی باتیں مت کرو۔" قابوط بولا۔ "کیس ضرور آئے گا۔ کل سے ہم لوگ باقاعدہ طور پر دفتر میں بیٹھیں گے۔"

اگلے روز چاروں صبح دس بجے دفتر پہنچ گئے۔ دفتر ایرکنڈیشنڈ تھا۔ سب کی میزیں الگ الگ تھیں۔ محمود، فرحانہ اور ڈیلو کی چونکہ اسکول کی چھٹیاں شروع ہو گئی تھیں اس لئے تینوں کو والدین سے اس بات کی اجازت مل گئی تھی کہ وہ قابوط انٹرپرائز کی سرگرمیوں میں حصّہ لے سکتے ہیں۔

وہ چاروں گپ شپ میں مصروف تھے کہ دفتر کے سامنے ایک کار

آ کر رُکی۔ کار سے ایک نوجوان اُترا۔ وہ وضع قطع سے خاصا خوشحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے پریشانی جھانکتی ہوئی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"کلائنٹ..... کلائنٹ!" فرحانہ آہستہ سے بولی۔

اتنی دیر میں وہ نوجوان دفتر کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

"میں اندر آسکتا ہوں؟" اس نے وہیں رک کر پُوچھا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں، تشریف لائیے!" قابوط نے کہا۔

نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ قابوط نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر بولا۔ "فرمائیے، ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں ___؟"

"یہ پرائیویٹ سراغرسانی کا دفتر ہے ___؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں! آپ صحیح جگہ آئے ہیں۔" قابوط نے جواب دیا۔

"میں آپ کے پاس ایک کیس لے کر آیا ہوں۔"

"کس نوعیت کا کیس ہے؟"

"گمشدگی کا۔"

"تفصیلات بیان کیجیے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں سے کام نہیں چلے گا۔" محمود نے کہا۔

"آپ کی تعریف؟" نوجوان نے باری باری محمود فرحانہ اور قابوط کی طرف دیکھا۔

"اِن سب کا تعلق اسی ادارے سے ہے۔" قابوط نے جواب دیا۔

"مگر یہ .... ؟؟"

"آپ ان کی عمروں پر نہ جایئے۔" قابوط بولا۔ "اچھے اچھے مجرم ان کے سامنے ناک رگڑ چکے ہیں۔"

"دیکھیئے!" نوجوان کہنے لگا۔ "میرا نام توصیف شیرازی ہے۔ میرے والد آفاق شیرازی کل سے لاپتہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ لوگ انہیں تلاش کریں۔"

"کیا نام بتایا آپ نے اپنے والد کا ــــ ؟" قابوط کاغذ اور قلم سنبھالتا ہوا بولا۔

"آفاق شیرازی ــ"

"کیا کام کرتے ہیں ــــ ؟"

"وکیل ہیں ــ"

"عمر ــــ ؟"

"تقریباً ساٹھ سال۔"

"ان کی گمشدگی کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتایئے۔"

"کوئی خاص تفصیلات نہیں ہیں۔" توصیف شیرازی نے بتایا۔ "کل صبح وہ حسب معمول کورٹ گئے تھے۔ اس کے بعد کوئی پتہ نہیں چلا۔"

"ان کا کوئی دفتر تو ہوگا ؟" قابوط نے سوال کیا۔ "کورٹ سے فارغ ہونے کے بعد وہ دفتر پہنچے تھے یا نہیں۔"

"نہیں۔" توصیف نے جواب دیا۔ "دفتر کے لوگ شام تک ان کا

انتظار کرتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے ہمیں اطلاع دی تھی۔"

"آپ کے والد یعنی آفاق شیرازی کی کسی سے دشمنی وغیرہ تھی۔؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔ وہ ایک مخلص اور امن پسند شخص تھے۔"

"ہو سکتا ہے ماضی میں انہوں نے کسی مجرم کو سزا دلوائی ہو اور جیل سے چھوٹنے کے بعد اس نے آپ کے والد کو انتقاماً اغوا کر لیا ہو۔" قابوط نے خیال ظاہر کیا۔

"اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی تو آپ کے پاس کیوں آتا۔" توصیف نے کہا۔ "میں خود ہی پولیس کو لے کر وہاں پہنچ جاتا۔"

"آپ نے آفاق شیرازی کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں درج کرائی ہے۔؟"

"جی ہاں۔" توصیف بولا۔ "پولیس انہیں تلاش کر رہی ہے لیکن میں اپنے طور پر بھی ان کا سراغ لگانا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے پاس اپنے والد کی کوئی تصویر موجود ہے؟"

"ہے۔" توصیف نے جیب سے تصویر نکال کر سامنے رکھ دی۔

"ٹھیک ہے۔" قابوط بولا۔ "ہم انہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

توصیف نے پوچھا۔ "آپ کی فیس کتنی ہوگی؟"

"فیس وغیرہ کی فکر نہ کریں آپ۔" قابوط نے جواب دیا۔ "بس اتنی ہوگی جسے آپ آسانی سے ادا کر سکیں۔ وہ بھی اس صورت میں جب ہم

آپ کے والد کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایڈوانس نہیں چاہیئے۔"

توصیف شیرازی اُٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ محمود بولا۔ "لو بھئی پہلے دن پہلا ہی کیس آ گیا۔ مبارک ہو۔"

ڈیلو بولا۔ "بھائی قابوط! اپنی پُراسرار قوتوں کے ذریعے فوراً وکیل کا سراغ لگا لو۔"

"مجھے غیب کا علم نہیں ہے ڈیلو میاں۔" قابوط نے جواب دیا۔ "اس کے لئے ہمیں سخت محنت کرنا ہو گی۔ ہم اسی وقت کورٹ چل رہے ہیں تاکہ آفاق شیرازی کے وکیل دوستوں اور دیگر متعلقہ افراد سے یہ معلوم کیا جائے کہ انہیں آخری وقت کب کہاں اور کس حال میں دیکھا گیا تھا۔

ایڈووکیٹ شیرازی کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا لباس تار تار تھا منہ سے خون بہہ رہا تھا اور اس پر غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ ڈاکٹر نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور اس نے ٹھنڈے پانی کا بھرا ہوا جگ شیرازی پر الٹ دیا۔ اس نے جھرجھری لے کر آنکھیں کھول دیں اور کراہنے لگا۔ ڈاکٹر دلچسپ نظروں سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ غضبناک انداز میں آگے بڑھا اور پوری قوت سے اُلٹے

ہاتھ کا تھپڑ شیرازی کے منہ پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور وہ کرسی سمیت الٹ گیا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کرسی سیدھی کر دی۔ ڈاکٹر نے میز پر رکھا ہوا تیز دھار چھرا اٹھایا اور شیرازی کی نظروں کے سامنے لہرا کر بولا۔

"غدار وکیل! میں اس چھرے سے قصائی کی طرح تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی الگ کر دوں گا۔ مجھے بتاؤ میرے باپ کے قاتل کون لوگ ہیں۔ جائداد پر قبضہ کس نے کیا ہے؟"

"میں بے قصور ہوں ۔۔۔ مجھے مت مارو ۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" شیرازی گڑگڑا کر بولا۔

"تم بے قصور نہیں ہو۔ تم میرے باپ کے قانونی مشیر تھے۔ تمہیں ایک ایک بات کا علم ہو گا۔" ڈاکٹر چھرا لہرا کر بولا۔ "جلدی بکو! ورنہ ایک لمحے کے اندر تمہاری رگوں میں دوڑتا ہوا خون فرش پر دوڑنے لگے گا۔"

"نہیں نہیں!" شیرازی خوفزدہ نظروں سے چھرے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں بتاتا ہوں ۔۔۔ سب کچھ بتاتا ہوں۔"

"بکو ۔۔۔!" ڈاکٹر پوری قوت سے دھاڑا۔

"یہ ۔۔۔ یہ درست ہے کہ میں تمہارے باپ سیٹھ سالار کا قانونی مشیر رہا ہوں۔ ان کی جائداد کے تمام انتظامات میرے ہاتھ میں تھے اور میں نے ہی وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ لیکن تمہارے چچا شیخ

سبحان اور ان کے بیٹوں کی نیت ٹھیک نہیں تھی۔"

"تمہارا مطلب ہے میرے چچا شیخ سبحان اور ان کے بیٹوں نے میرے باپ کو قتل کیا اور تمام جائداد پر قبضہ کر لیا۔"

"ہاں، ایسا ہی ہوا ہے۔"

"تفصیل سے بیان کرو۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں ایک ایک بات اور ایک ایک واقعہ جاننا چاہتا ہوں۔"

ایڈووکیٹ شیرازی نے چند گہری سانسیں لیں، پھر مردہ لہجے میں کہنے لگا۔ "تمہارے والد کی کروڑوں روپے کی جائداد اور وسیع کاروبار تھا بلکہ بہت سے کاروبار تھے جن میں سے چند ایک میں تمہارا چچا بھی شریک تھا۔ اسی دوران میں تمہارے والد امریکہ گئے۔ وہاں انہوں نے شادی کر لی اور تم پیدا ہوئے۔ تمہارے والد نے مجھے ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیا تھا۔ تمہارے چچا اور ان کے بیٹے اس صورت حال سے پریشان تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے سیٹھ سالار کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ تمہارے والد کے انتقال کے بعد تمام جائداد اور کاروبار وغیرہ پر ان کا قبضہ ہو گا۔ لیکن تمہاری پیدائش کی خبر سُن کر ان کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ کیونکہ اب تم ہی تمام جائداد کے وارث تھے۔ تمہارے چچا فکر مند ہو گئے اور ایسی ترکیب سوچنے لگے کہ جائداد ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ اگر تم اسی ملک میں ہوتے تو شاید وہ تمہیں قتل یا اغوا کرا دیتے مگر تم ان کی

پہنچ سے دُور تھے۔ اسی دوران میں تمہارے والد نے مجھے وصیت نامہ مرتب کرنے کی ہدایت کی۔ جس کی رُو سے تم تمام جائداد اور کاروبار وغیرہ کے واحد وارث قرار پائے۔ تمہارے چچا پر جو پوری جائداد پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہے تھے، قیامت ٹوٹ پڑی۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ وصیت نامے میں تمہارے بجائے ان کے بیٹے کا نام ڈال دوں۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے میرے سینے پر ریوالور رکھ دیا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ مجھے مجبوراً ان کی ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔"

"اور تم نے بد دیانت چچا کی خواہش کے مطابق وصیت نامہ مرتب کر دیا۔" ڈاکٹر خونخوار لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا نا، مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔" ایڈوکیٹ شیرازی روہانسی آواز میں بولا۔ "تمہارے چچا زاد بھائیوں نے میرے پورے خاندان کو تباہ کرنے کی دھمکی دی تھی۔"

"تم پولیس کو مطلع کر سکتے تھے۔" ڈاکٹر بولا۔

"میں اس پوزیشن میں نہیں تھا۔" شیرازی بولا۔ "تمہارا چچا بڑے اثر و رسوخ کا آدمی تھا۔ اس کے ایک اشارے پر مجھے ختم کر دیا جاتا۔"

"اب میرا چچا کہاں ہے۔؟"

"پچھلے سال ان کا انتقال ہو گیا۔ اب ان کے دونوں بیٹے جائداد

پر قابض ہیں۔"

"افسوس وہ اپنی موت مر گیا۔" ڈاکٹر متاسف لہجے میں بولا۔ "اگر زندہ ہوتا تو میں اس کو کتے کی موت مارتا۔ خیر یہ بتاؤ میرا باپ کیسے قتل ہوا، کس نے کیا۔"

"سیٹھ سالار کو تمہارے چچا اور اس کے بیٹوں نے ہلاک کیا۔" ایڈووکیٹ شیرازی کہنے لگا۔ "انہوں نے کرایہ کے چند غنڈوں کے ذریعے ڈاکہ کی واردات کا ڈرامہ رچایا جنہوں نے تمہارے باپ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وصیت نامے میں چونکہ پہلے ہی تمہارے چچا کے بیٹے کا نام تھا لہٰذا وہ قانونی طور پر تمام جائداد پر قابض ہو گئے۔"

ڈاکٹر نے گہری نظروں سے ایڈووکیٹ شیرازی کی طرف دیکھا، پھر سخت لہجے میں بولا۔ "وکیل کے بچے! تم نے واقعات کو جس ترتیب اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم بھی اس جرم میں برابر کے شریک رہے ہو۔ یہ بتاؤ تمہیں پردہ پوشی اور تعاون کے صلے میں میرے باپ کی دولت میں سے کتنا حصہ ملا؟؟"

"نہیں نہیں... مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ میں تو غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔" شیرازی نے اپنی صفائی پیش کی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ڈاکٹر سفاک لہجے میں بولا۔ "میں بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ چھرا تمہارے پیٹ میں بھونک دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے چھرے والا ہاتھ بلند کیا اور ایڈووکیٹ شیرازی فوراً

ہی چیخ پڑا۔ "نہیں نہیں ..... مجھے مت مارو ..... میں بتاتا ہوں ..... ابھی بتاتا ہوں۔ مجھے ..... مجھے ان لوگوں نے پانچ لاکھ روپے دیئے تھے۔"

"پانچ لاکھ!" ڈاکٹر قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم نے پانچ لاکھ روپے کے عوض میرے باپ کو قتل اور اس کی جائداد پر قبضہ کرانے کی کوشش کی۔ خیر تم سے حساب بعد میں لوں گا۔ مجھے اپنے چچا کے بیٹوں کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کتنے ہیں، کہاں ہیں اور ان کے نام کیا ہیں؟"

"تمہارے چچا کے دو بیٹے ہیں۔" شیرازی کہنے لگا۔ "ایک کا نام ہارون اور دوسرے کا رضوان ہے۔ وہ کئی ملوں، فیکٹریوں، باغات اور زرعی زمینوں غرض بے شمار دولت کے مالک ہیں جس میں تمہارے باپ کی جائداد بھی شامل ہے۔"

"ان کا پتہ بتاؤ۔" ڈاکٹر بولا۔ "تاکہ میں ان کے آخری سفر کا بندوبست کروں۔ میں ان سے ہولناک انتقام لوں گا۔"

"وہ دونوں البدر سوسائٹی کی ایک شاندار عمارت میں رہتے ہیں۔" شیرازی نے بتایا۔ "بنگلے کا نمبر ۲۴ ہے۔ شہر کے مختلف حصوں میں ان کی اور بھی بہت سی کوٹھیاں ہیں۔"

"اتنا ہی کافی ہے۔" ڈاکٹر خونخوار لہجے میں بولا۔ پھر وہ اپنے آدمی سے مخاطب ہوا۔

"لوٹی! تم میرے معزز بھائیوں کو کب تک یہاں لا سکتے ہو؟"

"آج ہی سر!"

"گڈ!" ڈاکٹر پرجوش انداز میں بولا۔ "لیکن پہلے ایک کو لاؤ۔ اس کے بعد دوسرے کا نمبر آئے گا۔"

ٹونی فور' اکمرے سے نکل گیا۔

قابوط انٹرپرائز کے دفتر میں محمود، فرحانہ، ڈیو اور قابوط سر جوڑے بیٹھے تھے۔ پہلا کیس ہی خاصی پیچیدگی اختیار کر گیا تھا۔ وہ لوگ آفاق شیرازی کا ابھی تک سراغ نہیں لگا پائے تھے۔

محمود بولا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے ایڈوکیٹ شیرازی اچانک کہاں غائب ہوگیا۔ اس کی نجی اور پیشہ ورانہ زندگی کے بارے میں سب ہی کچھ معلوم کر چکے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی جس سے اس کی گمشدگی پر روشنی پڑتی۔"

ڈیو بولا۔ "میرے خیال میں تو یہ سیزن ہی اغوا کا ہے۔ پہلے سرحسن سلطان غائب ہوئے۔ اب آفاق شیرازی لاپتہ ہو گیا ہے اور چند روز میں کسی اور بڑی شخصیت کے اغوا کی خبر مل جائے گی۔"

"ڈیو کے اغوا کی خبر!" فرحانہ ہنس کر بولی۔

"سنجیدگی... سنجیدگی!" قابوط نے وارننگ دی۔ "مذاق نہیں چلے گا۔ اس وقت ہم لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کر رہے ہیں۔"

"یار قابوط!" ڈپو کہنے لگا۔ "آخر تم جن ہو۔ تمہاری پراسرار قوتیں کس روز کام آئیں گی۔ ان کے ذریعے ایک گمشدہ آدمی کو تلاش نہیں کر سکتے۔"

"میں جادوگر نہیں ہوں۔ نہ غیب کا علم رکھتا ہوں۔" قابوط کہنے لگا۔ "ہمیں ذہانت سے کام لینا ہو گا۔"

"ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔" فرحانہ بولی۔

"کونسی بات ۔۔۔؟" محمود نے پوچھا۔

"آفاق شیرازی کے بیٹے توصیف سے ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں اس نے آفاق شیرازی کے ایک موکل سیٹھ سالار کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ شیرازی ان کا قانونی مشیر تھا۔ ان کی جائداد کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ سیٹھ سالار کے گھر پر ڈاکہ پڑا۔ اس واردات میں سیٹھ سالار کو قتل کر دیا گیا۔"

"واہ واہ جاسوسہ صاحبہ!" ڈپو مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "یہ تو وہی مثال ہوئی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ معاملہ درپیش ہے ایڈووکیٹ شیرازی کی گمشدگی کا اور تم ایک پرانے قتل اور ڈاکے کی واردات کا قصہ لے کر بیٹھ گئیں آخر شیرازی کی گمشدگی اور سیٹھ سالار کے قتل کا آپس میں کیا تعلق

ہو سکتا ہے۔"

"موٹے بھائی!" محمود بولا۔ "بعض اوقات اسی طرح نئی پرانی وارداتوں میں کوئی نہ کوئی تعلق نکل آتا ہے اور تحقیق کرنے پر مجرم بے نقاب ہو جاتا ہے۔"

"ٹھہرو!" فاروق سوچتا ہوا بولا۔ "فرحانہ کی بات میں کچھ وزن محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں وارداتوں میں کوئی خاص تعلق نہیں بنتا لیکن اگر چھان بین کی جائے تو ہو سکتا ہے کوئی کڑی مل جائے۔"

"تم یہ کڑی کس طرح تلاش کرو گے؟" ڈیو بولا۔

"پولیس کے ریکارڈ میں سیٹھ سالار کے قتل اور ڈاکے کی واردات کی تفصیل ضرور موجود ہو گی۔ اور میرے لیے یہ امر مشکل نہیں ہے کہ رات کو کسی وقت ریکارڈ روم میں داخل ہو جاؤں اور اس فائل کا مطالعہ کر کے صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کروں۔"

اسی وقت انسپکٹر خورشید اندر داخل ہوئے۔ سب لوگ انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھو۔ بیٹھو!" انسپکٹر خورشید مسکرا کر بولے۔ "شاید سراغرسانوں کی ٹیم کسی اہم مسئلے پر غور کر رہی ہے۔"

"ایڈووکیٹ شیرازی کی گمشدگی کا معاملہ ہے۔" فرحانہ نے کہا۔

"اس کا کیس مجھے مل گیا ہے۔" انسپکٹر خورشید بولے۔ "خاصا پیچیدہ معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ اغوا کی ایک اور واردات بھی ہو گئی ہے۔"

"اب کون اغوا ہو گیا؟" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"ملک کا ایک مشہور صنعتکار ہارون!" انسپکٹر خورشید نے بتایا۔

"وہ ارب پتی شخص ہے۔ اس کا ایک بھائی رضوان بھی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ اغوا کا سیزن ہے۔" ڈپلو نے کہا۔

انسپکٹر خورشید مسکرا دیئے۔ محمود بولا۔ "ابا جان میرے خیال میں اس وقت شہر میں ایک ایسا گروہ سرگرم عمل ہے جو بڑے بڑے دولتمندوں کو اغوا کر رہا ہے۔ پھر ان کی رہائی کے عوض بھاری رقم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جس طرح سرجن سلطان کے ساتھ ہو چکا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" انسپکٹر خورشید پُر خیال انداز میں بولے۔ "یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ اگر سرجن سلطان اس عمارت کی نشاندہی کر دیتے تو اب تک مجرم گرفتار ہو چکے ہوتے۔"

"ابا جان!" فرحانہ بولی۔ "کیا آپ کو سرجن سلطان پر شک ہے آپ پہلے بھی اس بات کا اظہار کر چکے ہیں۔"

"مجھے یہ شک نہیں ہے کہ سرجن سلطان مجرم ہیں یا ان کا تعلق مجرموں کے کسی گروہ سے ہے۔ لیکن مجھے کسی حد تک اس بات کا یقین ہے کہ سرجن سلطان کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں اس عمارت کا علم ہے جہاں انہیں اغوا کر کے لے جایا گیا تھا اور میرے خیال میں اعجاز کیٹ شیرازی اور صنعتکار ہارون بھی اسی عمارت میں موجود ہیں۔"

انسپکٹر خورشید کا خیال سو فیصد درست تھا۔ ڈاکٹر کے وسیع

کمرے میں صنعتکار ہارون کرسی سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ کمرے میں ٹونی اور جبار بھی تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا۔ قریب ہی میز پر تیز دھار چھرا بھی رکھا ہوا تھا اور ڈاکٹر' ہارون کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ ہارون کے نزدیک گیا اور پوری قوت سے اس کے رخسار پر تھپڑ رسید کر دیا۔

ہارون کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے اور خون کی باریک لکیر ہونٹوں سے بہتی ہوئی نیچے گردن کی طرف چلی گئی۔ اس کا چہرہ دہشت سے سفید ہو رہا تھا۔ اس نے رحم طلب نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم کون ہو.... مجھے کیوں اغوا کیا ہے؟"

"آہاہاہا ...." ڈاکٹر نے بھیانک قہقہہ لگایا۔ "تم یہ جاننا چاہتے ہو میں کون ہوں۔ تو سنو! میرا نام ڈاکٹر ہے ——"

"ڈاکٹر...؟" ہارون کچھ نہ سمجھا۔ "تم کس چیز کے ڈاکٹر ہو؟"

"میں موت کا ڈاکٹر ہوں۔" وہ سفاک لہجے میں کہنے لگا۔ "موت میرے اشاروں پر ناچتی ہے۔ اسی لئے میں نے اپنا نام "ڈاکٹر ڈیڈ" رکھ لیا ہے۔"

"ڈاکٹر ڈیڈ...." ہارون خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"ہاں، یہ نام تمہیں پسند آیا؟"

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو۔" ہارون الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اگر تم نے مجھے رقم کے لئے اغوا کیا ہے تو بتاؤ کتنا پیسہ چاہیئے۔ دو لاکھ، پانچ لاکھ، دس لاکھ ——!"

"مجھے رقم کی ضرورت نہیں ہے۔" ڈاکٹر خونخوار انداز میں مسکرایا۔ "کیونکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرا ہی ہے۔ میں اسے خود حاصل کر لوں گا۔ اس وقت مجھے صرف تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔"

"ک ک ۔۔۔ کیا؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔" ڈاکٹر کی سفاک مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ "بلاشبہ میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس انداز سے کہ تمہارے جسم کا ایک ایک عضو الگ کر کے شہر کی سڑکوں پر پھینک دوں گا۔"

"ن نہ ۔۔۔ نہیں! تم ایسا نہیں کر سکتے۔" ہارون خوف سے چیخ پڑا۔

"مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" ڈاکٹر ٹھوس لہجے میں بولا۔ "اور تمہیں اور تمہارے باپ کو بھی کوئی نہیں روک سکا تھا جب تم لوگوں نے ڈاکے کا ناٹک رچا کر میرے باپ کو قتل کیا تھا۔ افسوس تمہارا باپ اپنی موت مر گیا ورنہ آج وہ بھی بھیانک موت کے انتظار میں تمہارے قریب ہی کرسی پر بندھا ہوا بیٹھا ہوتا۔"

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔" ہارون روہانسی آواز میں بولا۔

"تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے میرے چچا زاد" ڈاکٹر طنز آمیز لہجے میں بولا۔ "میرے خیال میں تمہاری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہوگی کہ اپنے مقتول چچا سیٹھ سالار کو بھول جاؤ جسے تم، تمہارے بھائی رضوان اور تمہارے خبیث باپ نے ایڈووکیٹ شیرازی کے ساتھ مل کر سازباز کر کے قتل کرادیا تھا اور تمام جائداد و کاروبار وغیرہ پر قبضہ جمالیا تھا۔"

"نہیں نہیں.... یہ جھوٹ.... یہ غلط ہے" ہارون کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

مگر.... مگر تم کون ہو؟"

"میں.... میں ڈاکٹر ڈیڈ ہوں۔ تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"یہ تمہارا خود ساختہ نام ہے۔ تم کوئی اور ہو۔"

"بہت فکر مند ہو گئے ہو میرے بارے میں جاننے کے لیے۔" ڈاکٹر ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔ "اور جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو! میں سیٹھ سالار کا بیٹا ہوں جو امریکہ میں پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام وصیت نامے سے نکلوا کر تمہارے سازشی باپ نے اپنے بیٹوں کا نام ڈلوادیا تھا۔ یعنی تمہارا اور تمہارے بھائی رضوان کا! کیا یہ غلط ہے؟"

"ہاں غلط ہے، جھوٹ ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" ہارون ہذیانی انداز میں بڑبڑانے لگا۔

"کوئی بھی مجرم اپنے جرم کا اقبال نہیں کرتا۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "میرے چچا زاد اگر تم ان واقعات کو جھوٹ قرار دے رہے ہو تو کیا

سچ سننا پسند کرو گے ۔۔۔؟"

"کیا سچ ۔۔۔؟" ہارون کانپ کر بولا۔

"وہ سچ جو تمہاری زبان سے نکلے گا اور تمہارے کان سنیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے ٹونی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم میرے چچا زاد سے سچ اگلواؤ۔"

ٹونی فوراً آگے بڑھا اور ہارون کی پشت پر جا کر ایک جھٹکے سے اس کی قمیص کھینچ لی۔ اب ہارون کی پیٹھ ننگی ہو گئی تھی۔ ٹونی کے ہاتھ میں ہنٹر تھا۔ اس نے ہاتھ بلند کیا اور پوری قوت سے ہنٹر ہارون کی کمر پر مارا۔ ہارون کے منہ سے فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں تھیں اور جسم کا تمام خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ وہ ابھی تک پوری قوت سے دھاڑ رہا تھا۔

"ٹونی بیٹے!" ڈاکٹر دلچسپ انداز میں بولا۔ "ایک نہیں پانچ!"

ٹونی اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے لگاتار پانچ ہنٹر ہارون کی پشت پر جڑ دیئے۔ ہارون کی لرزہ خیز چیخوں سے در و دیوار لرز رہے تھے۔ کرسی کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کے سبب تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔

"جبار اسے اٹھاؤ۔۔۔!" ڈاکٹر نے اپنے آدمی کو حکم دیا۔ جبار نے آگے بڑھ کر کرسی سیدھی کر دی۔ ہارون شدتِ تکلیف سے ابھی تک بھینس کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ اس پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ ڈاکٹر نے

جبار کو پھر اشارہ کیا اور اس نے ٹھنڈے پانی کا جگ ہارون کے سر پر الٹ دیا۔ وہ جھرجھری لے کر ہوش میں آگیا اور ادھ کھلی آنکھوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر آگے بڑھا اور ایک جھٹکے سے ہارون کا منہ اوپر اٹھا کر بولا۔

"میرے خیال میں تم سچ بولنے کے قابل ہو گئے ہو، اور اگر کچھ کسر ہے تو ٹونی پھر اپنے ہاتھ دکھلائے گا۔"

"نہیں نہیں .... !" ہارون خوف سے چیخ پڑا۔ "مجھے مت مارو میں حقیقت بیان کرتا ہوں۔ تم نے جو کچھ کہا ہے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ہم لوگوں نے تمہارے باپ کو قتل کرا کے تمام جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ آج مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں تمام جائداد تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تمہاری بھی اور اپنی بھی۔ بس مجھے چھوڑ دو۔ میری جان بخش دو۔"

"آہا ہا ہا ...." ڈاکٹر نے بھیانک قہقہہ لگایا۔ "تمہاری جان بخشنا ایسا ہی ہے جیسے کسی زہریلے سانپ کو چھوڑ دیا جائے۔ اور میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ رہی جائداد کی بات، تو تمہیں مجھ پر یہ احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا حق خود وصول کر لوں گا۔ اور چونکہ تم نے اقبالِ جرم کر لیا ہے لہٰذا تمہارا قتل مجھ پر واجب ہو گیا ہے۔ قانون بھی تمہیں پھانسی کی سزا دے گا لیکن میں اپنا انتقام خود لوں گا اور تمہیں اسی طرح ہلاک کروں گا جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے چھرا اٹھالیا۔ اس وقت اس کا چہرہ انتہائی سفاک ہو گیا تھا۔ اور آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ ڈاکٹر کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر ہارون وحشت سے چیخنے لگا مگر وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ زاروقطار رو رہا تھا۔ اور اپنی جان بخشی کے لئے التجائیں کر رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر پر اس کی گریہ و زاری کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جوشِ انتقام سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس نے نہایت بے دردی کے ساتھ ہارون کی ٹانگ گھٹنے کے جوڑ کے پاس سے الگ کر کے دور پھینک دی۔ پھر اس نے دوسری ٹانگ بھی چھرے سے کاٹ ڈالی۔

کمرے میں ہارون کی فلک شگاف چیخیں گونج رہی تھیں۔ مگر ڈاکٹر پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ہارون کے بازو بھی جوڑوں سے الگ کر کے زمین پر پٹخ دیئے۔ پھر اس نے چھرے کی نوک سے اس کی دونوں آنکھیں نکال لیں اور اپنے وزنی بوٹ سے فرش پر مسل دیں۔ ہارون کی چیخیں اب آہستہ آہستہ ماند پڑتی جا رہی تھیں۔ اس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ مگر ڈاکٹر کا جوشِ انتقام ابھی سرد نہیں ہوا تھا۔ اس نے چھرے سے ہارون کا سینہ چاک کر دیا اور دھڑکتا ہوا دل نکال کر دانتوں سے چبا ڈالا۔ پھر اس نے گردن بھی کاٹ کر فرش پر پٹخ دی اور دیوانہ وار قہقہے لگانے لگا۔

"میں نے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے لیا۔ میں اس کے

بھائی رضوان کا بھی یہی حشر کروں گا۔ اور اس خاندان کے ایک ایک بچے کو ذبح کر دوں گا۔"

اس وقت ڈاکٹر کی حالت انتہائی ہولناک تھی۔ لباس خون میں تر بہ تر ہو گیا تھا۔ چہرہ بھی خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اور آنکھوں سے انتقام کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"لوٹی!" اس نے غضبناک لہجے میں آواز دی۔" اس مردود کی لاش کے ٹکڑے رات کی تاریکی میں شہر کی سڑکوں پر پھینک آنا۔ اور کل اس کے بھائی رضوان کو بھی اٹھا لانا۔ میرا دل اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب میں اس خاندان کو نیست و نابود کر دوں گا۔۔۔!

اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا اور لوگ اپنے اپنے کام پر نکلے تو ذرا دیر بعد ہی پورے شہر میں خوف و دہشت پھیل گئی۔ شہر کی سڑکوں پر جگہ جگہ انسانی اعضا بکھرے ہوئے تھے۔ پولیس کی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی سڑکوں پر دوڑ رہی تھیں۔ پولیس کے اعلیٰ حکام سڑکوں پر نکل آئے۔ انسپکٹر خورشید بھی پہنچ گئے۔ ڈی آئی جی اور آئی جی بھی آ گئے۔ ان کے علاوہ محمود، فرحانہ، ڈیو اور قابوط بھی وہاں موجود تھے۔ شہر کی سڑکوں پر پولیس کے آدمی پھیل گئے اور کٹے ہوئے اعضا کو یکجا کیا جانے لگا۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک سڑک پر ایک ہاتھ پڑا تھا تو دوسری سڑک پر دوسرا ہاتھ پڑا ہوا تھا۔ کسی گلی میں

انگلیاں بکھری ہوئی تھیں کہیں بازو پڑے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ناک اور کان تک جسم سے علیحدہ کر دیئے گئے تھے۔ ہر شخص حیران و خوفزدہ تھا کہ وہ کون شقی القلب انسان ہے جس نے ایسے بھیانک انداز سے لاش کے ٹکڑے کر کے شہر کی سڑکوں پر پھینک دیئے ہیں۔

تقریباً دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد تمام اعضا یکجا کر لئے گئے لیکن ابھی تک سر نہیں ملا تھا۔ آخر وہ بھی ایک نالے میں پڑا ہوا مل گیا جو گندگی میں لتھڑا ہوا تھا۔ جب اُسے پانی سے صاف کیا گیا تو اعلیٰ حکام حیران رہ گئے وہ ملک کے مشہور صنعتکار سیٹھ ہارون کی لاش تھی جسے دو روز قبل اغوا کر لیا گیا تھا۔

مقتول ہارون کے بھائی رضوان کو اس ہولناک واقعہ کی اطلاع فون پر دی گئی تو اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ بہرحال وہ فوراً ہی پولیس ہیڈ آفس پہنچ گیا کیونکہ ہارون کی لاش کے ٹکڑے یکجا کر کے وہیں رکھ دیئے گئے تھے۔

بھائی کی لاش کے ٹکڑے دیکھ کر رضوان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کئی منٹ تک اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔۔۔ انسپکٹر خورشید نے ہمدردی سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا اور پوچھا۔

"کیا آپ نے اپنے بھائی کی لاش کو شناخت کر لیا ہے؟"

"ہاں۔" رضوان رو پڑا۔

"صبر کیجیے۔" انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "قدرت کو یہی منظور تھا۔

بہر حال اگر آپ چند سوالات کے جوابات دینے کی پوزیشن میں ہیں، تو بہت ممکن ہے مجرم کو جلد پکڑ لیا جائے۔"

"پوچھیے!" وہ دردانگیز لہجے میں بولا۔ "میں اپنی معلومات کے مطابق صحیح جوابات دینے کی کوشش کروں گا۔"

"ذرا سوچ کر بتائیے!" انسپکٹر خورشید کہنے لگے۔ "مقتول ہارون کو دو روز قبل اغوا کیا گیا تھا۔ ایف آئی آر کے مطابق وہ رات کو حسب معمول اپنے بستر پر سوئے تھے اور صبح ان کا بستر خالی پایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور ایسی قابلِ ذکر بات ہے جو آپ کو معلوم ہو اور جس کا اندراج پولیس کے روزنامچے میں نہ ہوا ہو؟"

"جی نہیں۔" رضوان نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا۔ "میرے علم میں کوئی اور بات نہیں ہے۔ واقعہ اسی قدر ہے۔"

"رات کو سونے سے قبل مقتول ہارون سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی ——؟"

"جی ہاں۔ ہم نے ایک ساتھ کھانا کھایا تھا۔ اس کے بعد ڈرائنگ روم میں کافی دیر تک کاروباری گفتگو کرتے رہے تھے۔"

"آپ دونوں بھائی ایک ہی عمارت میں رہائش پذیر تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا ہارون شادی شدہ تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیاان کی بیگم علیحدہ کمرے میں سوتی تھیں ؟"

"جی نہیں - دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔"

"رات کے کسی حصے میں انہیں کسی قسم کی آہٹ یا آواز محسوس نہیں ہوئی ؟" انسپکٹر خورشید نے سوال کیا۔

"وہ آج کل اپنے میکے گئی ہوئی ہیں۔"

"دونوں کے ازدواجی تعلقات کیسے تھے ؟"

"نہایت خوشگوار ہے"

"ان کے درمیان کبھی جھگڑا فساد نہیں ہوا تھا ؟"

"میاں بیوی کے درمیان چھوٹی موٹی جھڑپ تو ہوتی رہتی ہے" رضوان نے جواب دیا۔

"وقوعہ کی شب وہ کچھ فکر مند نظر آتے تھے ؟"

"بالکل نہیں ہے"

"انہیں کوئی فون موصول ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے سونے سے قبل ؟" انسپکٹر خورشید نے پوچھا۔

"جی نہیں ہے"

"دفتر میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا تھا یا کسی کاروباری آدمی سے تلخ کلامی وغیرہ ہوئی تھی ؟" انسپکٹر خورشید نے سوال کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔" رضوان نے جواب دیا۔" وہ

حسب معمول دفتر میں کام کرتے رہے تھے اور وقت مقررہ پر اپنی سیٹ سے اُٹھ گئے تھے۔"

"وہ دفتر سے سیدھے گھر آئے تھے؟"

"جی ہاں۔ کسی خاص وجہ کے بغیر وہ کہیں رُکتے نہیں تھے۔"

"شکریہ!" انسپکٹر خورشید نے کہا۔ "اگر ضرورت پڑی تو آپ کو پھر زحمت دی جائے گی۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کی جارہی ہے۔ چند گھنٹے بعد آپ کو مل جائے گی۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ سفاک قاتل کو جلد گرفتار کر لیا جائے۔"

رضوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ رنج والم میں ڈوبا ہوا تھا۔ قابوط بھی ایک کاغذ پر رضوان سے کیے گئے سوالات اور ان کے جوابات نوٹ کر تا رہا تھا۔ سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو اس نے کاغذ جیب میں ڈالا اور محمود، فرحانہ اور ڈیو کے ساتھ اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

"یہ قتل کی انتہائی ہولناک واردات ہے۔" دفتر میں پہنچ کر محمود نے کہا۔ "قاتل بڑا اذیت پسند معلوم ہوتا ہے۔"

"میرے خیال میں اس قتل میں انتقام کا جذبہ کارفرما ہے۔" فرحانہ نے رائے ظاہر کی۔

"میں تمہاری رائے سے پوری طرح متفق ہوں۔" ڈیو بولا۔ "ایسی وارداتیں عموماً بدترین انتقام کا نتیجہ ہوتی ہیں۔"

قابوط اس وقت گہری سوچ میں تھا۔ محمود بولا۔ "پرائیویٹ سراغرساں صاحب آپ کا کیا خیال ہے۔ اس قتل کے بارے میں؟"

"میں بھی اسے انتقامی کارروائی سمجھتا ہوں۔" قابوط بولا۔ "لیکن میں ایک اور پہلو پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"کون سے پہلو پر؟" فرحانہ نے دریافت کیا۔

"رضوان کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہ ہولناک واقعہ پیش آسکتا ہے۔" قابوط سوچتا ہوا بولا۔

"یہ بات تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" محمود نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ رضوان مقتول کا بھائی ہے اور جو دشمنی قاتل کو مقتول سے تھی وہی رضوان سے بھی ہو سکتی ہے۔"

یکایک دروازے کا پردہ ہلا اور رضوان اندر داخل ہوا۔

"آئیے آئیے!" قابوط اٹھ کھڑا ہوا۔ محمود، فرحانہ اور ڈیو بھی اُٹھ گئے۔ قابوط نے اسے کرسی پیش کی۔ رضوان مضمحل انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ بھائی کی المناک موت نے اس پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اور قدرتی طور پر ایسا ہونا چاہیئے تھا۔

"مجھے آپ کے بھائی کی دردناک موت کا بہت غم ہے۔" قابوط افسردگی سے کہنے لگا۔ "بہرحال، ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

رضوان نے ایک گہری سانس لی۔ پھر بولا۔ "جو کچھ ہوا میں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی موت نے مجھے ختم

کر دیا ہے۔ میرا ایک بازو کٹ گیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چھت کو گھورنے لگا۔ کچھ دیر بعد دوبارہ بولا۔

"میں ادھر سے گذر رہا تھا کہ آپ کے بورڈ پر نظر پڑی۔ اگرچہ پولیس اس واردات کی سرگرمی سے تفتیش کرے گی۔ لیکن میں سوچتا ہوں آپ بھی کھوج لگائیں، قاتل کو بے نقاب کر دیں۔ آپ کی جتنی فیس ہو گی' میں دوں گا بلکہ آپ قاتل کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تو منہ مانگی رقم دوں گا۔"

"آپ فیس وغیرہ کی فکر نہ کریں۔" قابوط نے کہا۔ "مجھے خود اس کیس سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ انسپکٹر خورشید نے آپ سے جو سوالات کئے ہیں وہ سب میں نے بھی نوٹ کر لئے ہیں۔ البتہ میں وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں سے مقتول کو اغوا کیا گیا تھا۔"

"کیوں نہیں!" رضوان نے کہا۔ "آپ ابھی میرے ساتھ چلیئے۔"

دفعتاً قابوط چونک کر اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "کیا بات ہے؟" فرحانہ نے پوچھا۔

"ابھی مجھے ایک آدمی کی جھلک دکھائی دی تھی۔" قابوط پر تجسس لہجے میں بولا۔ "شاید کوئی شخص دفتر کے دروازے پر کھڑا ہوا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔" یہ کہہ کر قابوط تیزی سے آگے بڑھا۔ جونہی وہ دروازے پر پہنچا' ایک آدمی وہاں سے بھاگتا ہوا فٹ پاتھ کے قریب کھڑی ہوئی کار کی طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مرتبہ

پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور قابوط پر نظر پڑتے ہی جلدی سے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار فوراً روانہ ہو گئی۔ سڑک کراس کرنے کے بعد اس نے عقب نما شیشے میں دیکھا کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے، لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

مگر... اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ کوئی پچھلی سیٹ پر بھی موجود ہے۔ جو اسے نظر نہیں آ رہا ہے۔ دراصل قابوط اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر مخفی یعنی غائب ہو گیا تھا اور کار میں گھس کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ ان حالات میں وہ سب کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔

کار مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد قدیم وضع کی ایک وسیع اور عالی شان عمارت میں داخل ہو گئی۔ اس شخص نے گاڑی پورچ میں روک دی اور صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ قابوط مخفی حالت میں اس کے پیچھے تھا۔ عمارت میں داخل ہو کر وہ آدمی ایک وسیع کمرے میں پہنچ گیا جہاں ڈاکٹر ڈیڈ اس کا منتظر تھا۔ اس آدمی کو دیکھتے ہی ڈاکٹر تیزی سے آگے بڑھا۔

"سناؤ ٹونی، کیا رہا۔؟"

"بے حد دلچسپ، انتہائی شاندار!" ٹونی نے جواب دیا "پورے شہر میں سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے پولیس حیران ہے۔ بہر حال لاش کے ٹکڑے جمع کر لئے گئے ہیں۔ اور اسے پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دیا گیا ہے۔"

" آہا ہا ہا ہا.....!" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے یقین تھا ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ایک دشمن ابھی باقی ہے۔ ہارون کا بھائی رضوان۔ اُس کا حشر ہارون سے بھی بُرا ہوگا۔ اس کی لاش کا قیمہ بناؤں گا۔ اور ایک خوبصورت اٹیچی میں بھر کر شہر کے سب سے بڑے چوراہے پر رکھ دونگا خیر یہ بتاؤ"، رضوان کے بارے میں کیا معلوم کیا۔ اُسے کب اغوا کر کے لا رہے ہو۔؟"

"سر! رضوان وہاں موجود تھا۔ بہت افسردہ تھا۔ بھائی کی موت نے اس پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ سی آئی ڈی کا انسپکٹر خورشید اس سے بہت دیر تک مختلف سوالات کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد رضوان پرائیویٹ سراغرسانی کے دفتر قالبوط انٹرپرائز میں گیا تھا۔"

"میں انسپکٹر خورشید کا حشر بھی خراب کر کے رکھ دوں گا۔ اور پرائیویٹ جاسوس کے بچے" کا بھی۔" ڈاکٹر غضبناک لہجے میں بولا۔ "بہر حال تم رضوان کو جلد لانے کی کوشش کرو۔ اُسے ٹھکانے لگانے کے بعد ہی میرے دل کو قرار آئے گا۔"

"سر! ایڈوکیٹ شیرازی کا کیا بنے گا؟" لوٹی نے پوچھا۔

"وہ ابھی تک تہہ خانے میں قید ہے۔"

"وہ بھی برابر کا مجرم ہے۔" ڈاکٹر کہنے لگا۔ "اس نے پانچ لاکھ کے عوض وصیت نامہ تبدیل کر دیا اور اس تمام معاملے میں میرے چچا کا معاون بنا رہا۔ لہٰذا اس کا حشر بھی ہارون سے مختلف نہیں ہوگا۔ لیکن

پہلے رضوان! شیرازی کا نمبر تیسرا ہے۔"

قابوط مخفی حالت میں کمرے میں موجود تھا اور تمام گفتگو سن رہا تھا اور بہت خوش تھا کہ اتفاقی طور پر اصل مجرم کے پاس پہنچ گیا ہے۔ ہارون کا قاتل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ قابوط پر پوری صورت حال واضح ہو چکی تھی۔ یکایک اس کی نظر ڈاکٹر کی تیسری آنکھ پر پڑی۔ وہ حیران رہ گیا اور قریب جا کر غور سے سر کے پچھلے حصے میں لگی ہوئی آنکھ کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت ڈاکٹر بھی چونک پڑا اور متجسس نظروں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ٹونی نے پوچھا۔

"کیا ہوا سر؟"

"کمرے میں کوئی موجود ہے۔" ڈاکٹر پُر تجسس لہجے میں بولا۔ "میں اس کا ہلکا ہلکا عکس محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن وہ جو کوئی بھی ہے نمایاں طور پر نظر نہیں آ رہا ہے۔"

کمرے میں کوئی نہیں ہے سر!" ٹونی نے کہا۔ "اگر کوئی ہوتا تو آپ کی ایٹمی آنکھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔"

"میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔" وہ پُر خیال انداز میں بولا۔ "کیا اس آنکھ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ مگر نہیں۔ میں سڑک پر چلتے ہوئے لوگوں اور بسوں، ٹیکسیوں، رکشاؤں وغیرہ کو دوڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔"

قابوط کچھ سمجھا کچھ نہیں سمجھا۔ بہر حال وہ فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔ اگرچہ وہ مخفی تھا۔ ڈاکٹر کی ایٹمی آنکھ اسے واضح طور پر نہیں

دیکھ سکتی تھی۔ لیکن اُسے بہت سے کام کرنا تھے۔ وہ عمارت کے گیٹ سے نکل کر فٹ پاتھ پر آگیا۔ سامنے ہی ایک دوکان پر پبلک ٹیلیفون کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ قابوط نے اپنے دفتر رِنگ کیا۔ دوسری جانب محمود نے ریسیور اٹھایا۔ قابوط نے پوچھا "کیا مسٹر رضوان یہاں موجود ہیں ---؟"

"وہ لاش حاصل کرنے کے لئے ہاسپٹل چلے گئے ہیں" محمود نے جواب دیا۔ "ڈپو بھی گھر چلا گیا ہے"

"ٹھیک ہے" قابوط بولا۔ "آفس بند کر کے تم لوگ فوراً میرے پاس پہنچو"

محمود نے پوچھا۔ "کوئی خاص بات ہے؟"

"بہت ہی خاص، جلدی آجاؤ۔" یہ کہہ کر قابوط نے پتہ بتایا۔ اور کریڈل پر انگلی رکھ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کے بعد قابوط نے انسپکٹر خورشید کے دفتر کے نمبر ڈائل کئے مگر پتہ چلا کہ وہ گھر جا چکے ہیں۔ اس نے گھر فون کیا تو نمبر انگیج ملا۔ بار بار رِنگ کرنے پر بھی سلسلہ قائم نہیں ہو سکا۔ ان حالات میں قابوط یہی سوچ سکتا تھا کہ گھر کا فون خراب ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا انسپکٹر خورشید سے کس طرح رابطہ قائم کیا جائے۔ وہ اس پہلو پر غور کر ہی رہا تھا کہ فرحانہ اور محمود موٹر رکشہ میں وہاں پہنچ گئے۔

"کیا معاملہ ہے ---؟" فرحانہ بولی۔ "خاصے پُرجوش دکھائی

دے رہے ہو۔؟"

"میں نے ہارون کے قاتل کا پتہ چلا لیا ہے۔" قابوط سرگوشی میں بولا۔ "ایڈووکیٹ شیرازی بھی اُسی کی قید میں ہے۔ اور اب وہ رضوان کے جسم کے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سر کے پچھلے حصّے میں تیسری آنکھ بھی ہے۔"

"تیسری آنکھ!" دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

"ہاں۔" قابوط نے جواب دیا۔ "یہ سامنے والی عمارت اسی کی ہے۔ میں نے انسپکٹر خورشید کو رنگ کیا تھا مگر فون خراب معلوم ہوتا ہے۔ میں انہیں اطلاع دینے جا رہا ہوں۔ تم اس وقت تک عمارت کی نگرانی کرو۔ اور آنے جانے والوں پر نظر رکھو۔" یہ کہتے ہی قابوط نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فرحانہ اور محمود عمارت کے قریب چلے گئے۔

ڈاکٹر ڈیڈا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اور پوری شدّت سے سوچ رہا تھا۔ لُوٹی اور جبّار اس کے حکم کے منتظر کھڑے تھے یکایک ڈاکٹر چونک پڑا۔" اور لُوٹی کو مخاطب کر کے بولا۔ "میں اپنی تیسری آنکھ سے دیکھ رہا ہوں کہ عمارت کی چار دیواری کے قریب ایک لڑکا اور ایک لڑکی کھڑے ہیں۔ وہ مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں پکڑ کر لے آؤ۔"

لُوٹی اور جبّار فوراً کمرے سے نکل گئے ——— اور پھر ذرا دیر

بعد ہی وہ فرحانہ اور محمود کو بازوؤں سے جکڑے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے پوری قوت سے دھکا دیا اور وہ دونوں فرش پر گر گئے۔ ٹونی نے انہیں بالوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"کون ہو تم لوگ؟" ڈاکٹر اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا بولا۔

"سر یہ دونوں پرائیویٹ سراغرساں کے ساتھی ہیں۔" ٹونی نے کہا۔ "میں نے کچھ دیر پہلے انہیں اس کے دفتر میں دیکھا تھا۔"

"اوہ ..." ڈاکٹر نے دونوں کو گھورا۔ "تم دونوں ہماری جاسوسی کر رہے تھے؟" جبار نے فوراً کہا۔ "سر! میں انہیں جانتا ہوں یہ انسپکٹر خورشید کے بچے ہیں۔ پورے فتنہ ہیں۔ جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کے ہتھکڑیاں ڈلوا کر ہی چھوڑتے ہیں۔"

"اچھا!" ڈاکٹر نے ریوالور نکال لیا۔ "میں انہیں ابھی ختم کر دیتا ہوں۔ ان کی لاشیں انسپکٹر خورشید کے لان پر پھینک آنا اور دونوں کے گلے میں یہ چٹ لکھ کر ڈال دینا۔ "ڈاکٹر ڈیڈ کی جانب سے شاہکار تحفہ!" یہ کہہ کر اس نے ٹرائیگر پر انگلی رکھ دی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اپنی پشت پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شفاف کھوپڑی پر ایک سیاہ سانپ پھن پھیلا کر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا۔ وہ جنبش تک نہیں کر رہا تھا۔ مبادا سانپ ڈس لے۔ تاہم اس نے ٹونی اور جبار سے

کہا۔ "سانپ پر فائر کرو۔ جلدی کرو مگر احتیاط سے مجھے گولی نہ لگے۔"

ٹونی اور جبار دونوں نے سانپ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیے مگر ریوالور سے کلک کی آواز نکلنے کے سوا کچھ نہیں ہوا۔ نہ دھماکہ ہوا، نہ گولی چلی۔ ڈاکٹر غصے سے چیخا۔ "کیا حماقت ہے۔ جلدی گولی چلاؤ۔ کیا ہو گیا ہے تمہارے ریوالوروں کو۔۔۔؟"

دونوں نے ریوالوروں کے چیمبر کو چیک کیا۔ راؤنڈ موجود تھے۔ انہوں نے پھر ٹریگر دبایا مگر ریوالور جام ہو گئے تھے۔ فرحان اور محمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ سانپ کے بھیس میں قابوط کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یکایک قابوط کی آواز کمرے میں گونجی۔

"تین آنکھوں والے گنجے۔ میں موت کا فرشتہ ہوں۔ مجھ پر نہ گولی اثر کر سکتی ہے نہ ایٹم بم! تم ان بچوں کو ہلاک کرنا چاہتے تھے مگر وقت تمہارا آ گیا۔ مجھے تمہاری اور تمہارے گروہ کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

ڈاکٹر ڈیڈ، ٹونی، جبار غرض سب کی آنکھیں حیرت و دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سانپ اس کے سر پر بیٹھا ہوا انسانوں کی طرح باتیں کر رہا تھا اور خود کو موت کا فرشتہ کہہ رہا تھا۔

دفعتاً کمرے کا دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا اور انسپکٹر خورشید پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے للکار کر کہا۔ "خبردار! اگر کسی نے جنبش کی تو گولی،

دی جائے گی۔ سب لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیں۔"

اسی وقت سانپ ڈاکٹر ڈیڈ کی شفاف کھوپڑی سے اچانک غائب ہو گیا تھا اور اب قابوط سپاہیوں کو ہٹاتا ہوا دروازے کے راستے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس وقت وہ ہو گیا تھا جو اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔

"سس سس...۔ سانپ کہاں چلا گیا۔؟" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیسا سانپ؟" انسپکٹر خورشید نے پوچھا۔

"وہی جو میرے سر پر بیٹھا تھا۔"

قابوط نے قہقہہ لگایا۔ پھر انسپکٹر خورشید سے بولا۔"جناب گرفتاری کے خوف سے یہ حواس باختہ ہو گیا ہے۔ اسی لئے الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔"

اسی وقت ایک سب انسپکٹر نے اندر داخل ہو کر انسپکٹر خورشید سے کہا۔"جناب عمارت میں موجود تمام افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر خورشید بولے۔ پھر وہ ڈاکٹر سے مخاطب ہوئے"تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو صنعتکار ہارون کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔" ڈاکٹر اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کوئی بات نہیں انسپکٹر۔ مجھے اس بات کا کوئی افسوس نہیں ہے کہ پھانسی پر چڑھا دیا جاؤں گا کہ میں نے اپنے باپ کے قاتلوں سے

انتقام لے لیا ہے۔ لیکن افسوس میں رضوان کو ہلاک نہیں کر سکا۔ لیکن قانون کی رُو سے تمہیں اُسے بھی گرفتار کرنا ہوگا کہ وہ میرے باپ کا قاتل نمبر دو ہے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے شروع سے آخر تک تمام واقعات بیان کر دیئے۔ کہ کس طرح اس کے چچا اور اس کے بیٹوں نے اس کے باپ کو ہلاک کر کے تمام جائداد پر قبضہ جما لیا۔ ساتھ ہی اس نے ایٹمی آنکھ کے بارے میں بھی تمام تفصیلات بتا دیں۔

انسپکٹر خورشید اس کے قریب آ کر غور سے ایٹمی آنکھ کو دیکھنے لگے۔ پھر پوچھا "کیا واقعی تم اس آنکھ سے ٹھوس چیزوں کے پار دیکھ سکتے ہو؟"

"ہاں۔" ڈاکٹر ڈیڈ نے کہا۔ "مگر میں حیران ہوں کہ پولیس کو اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکا۔ شاید اس پر اسرار سانپ نے ایٹمی آنکھ کی صلاحیتوں کو وقتی طور پر بے اثر کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کی دُم سے یہ آنکھ ڈھک گئی تھی۔ خیر میری جیب میں ایک اور آنکھ موجود ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔ "میں اسے کھول سکتا ہوں۔؟" اس نے انسپکٹر خورشید سے پوچھا۔

"ہاں۔ کھول سکتے ہو۔"

ڈاکٹر نے ڈبیہ کھول دی لیکن اس میں آنکھ کے بجائے سیاہ رنگ کا ایک کیپسول رکھا ہوا تھا۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس نے کیپسول منہ میں رکھ لیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی حالت متغیر

ہو گئی۔ چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ آنکھیں پھٹ گئیں اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کرسی سے نیچے گر پڑا چند لمحوں میں اس کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا تھا۔ انسپکٹر خورشید نے اس کے جسم کو چھو کر دیکھا مگر وہاں گوشت پوست کے بجائے انسانی وجود کی شکل میں راکھ کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ ڈاکٹر ڈیڈ نے اپنی کسی سائنسی ایجاد کے ذریعے خود کو ختم کر لیا تھا۔ جسے بُرے وقت کے لئے وہ ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا تھا۔

ڈاکٹر ڈیڈ کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگلی صبح کے اخبارات میں اس خبر کو صفحہ اول پر جگہ دی گئی تھی۔ قابوط انٹرپرائز کی کارکردگی کو بے حد سراہا گیا تھا اور قابوط، فرحانہ اور محمود وغیرہ کی بے حد تعریف کی گئی تھی۔ اور ملک میں پرائیویٹ سراغرسانی کی اسکیم کو خوش آئند اور کامیاب قرار دیا گیا تھا۔

(ختم شد)

شکیل

انعامی سلسلہ

آپ کا عنوان

ساتھیو۔ مصنف نے آخری باب کا عنوان "لاش کے ٹکڑے" منتخب کیا ہے۔ آخری باب کو غور سے پڑھیے۔ اگر آپ کے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی اچھا سا عنوان آتا ہے تو ہمیں لکھ کر بھیج دیجئے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے نمبر پر منتخب کئے جانے والے عنوانات کو پرائیز بونڈ کے انعامات دیئے جائیں گے۔ سب سے پہلے موصول ہونے والے عنوان پر بھی ایک خصوصی انعام دیا جائے گا۔

کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۳۳۲ کراچی ۱

کرنل پرویز فیملی

محمد زاہد حبیب قریشی — حیدرآباد

سوال:۔ سعید بھائی عرف سپرمین ذرا یہ تو بتائیں انڈا پہلے پیدا ہوا یا مرغی؟

جواب:۔ پہلے ہم پیدا ہوئے۔

سوال:۔ سعید بھائی اگر آپ کو الہ دین کا چراغ مل جائے تو آپ سب سے پہلے کیا کریں گے؟

جواب:۔ اگر آپ ہمارے پہلے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے تو الہ دین کے جن سے پوچھیں گے کہ انڈا پہلے پیدا ہوا یا مرغی۔ جواب آپ کو بیرنگ خط کے ذریعے بھیج دیں گے۔

سوال:۔ اگر آپ اس سال میٹرک میں پاس ہونا چاہتے ہیں تو سر کے بل کھڑے ہونے کی مشق چالیس روز تک بلاناغہ کریں۔ اللہ کامیابی دے گا۔ کیا خیال ہے؟

جواب:۔ نسخہ آزمودہ معلوم ہوتا ہے۔

سوال:۔ سعدو بھائی اگر آپ کو ایک دن کے لیے کرنل پرویز بنا دیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟

جواب:۔ آپ کو گرفتار کر لیں گے۔

ریاض احمد بٹ — سکھیکی منڈی

سوال:۔ کرنل پرویز صاحب:۔ اگر آپ کے لڑکے فیصل مجرموں کے قبضے میں ہوں اور مجرم آپ سے فیصل کی رہائی کے لیے ملک کے خفیہ راز

ملنگے تو پھر آپ کیا کریں گے؟

جواب:۔ حسینؑ نے حق کی خاطر سر کٹا دیا تھا۔ امید ہے آپ ہمارے جواب سے مطمئن ہو گئے ہوں گے۔

سمیرا جبیں
بہاولنگر

سوال:۔ سدو بھائی۔ میرے بھیا مجھ سے روزانہ جھگڑتے ہیں کہتے ہیں کہ سدو بھائی سے کہو ہماری غلیل واپس کر دیں۔ اتنا لمبا ادھار بھی اچھا نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ فوراً سے پہلے غلیل ارسال کر دیں؟

جواب:۔ غلیل تو نہیں البتہ غلیلہ ضرور ارسال کر سکتے ہیں۔

سوال:۔ زریں اور فیصل بھائی۔ آپ لوگوں نے اتنے کارنامے سرانجام دیئے اپنے والد صاحب سے مل کر لیکن کبھی اخبار میں ذکر نہیں آیا۔ کیا اخبار والوں سے ان بن ہو گئی ہے؟

جواب:۔ اخبار والوں نے جب بھی ہمارے کارنامے شائع کرنے کا ارادہ کیا ان کے صفحات کم پڑ گئے۔ چنانچہ جہازی سائز پر ایک اسپیشل ایڈیشن شائع کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ انتظار فرمائیے۔

عامر عادل کامران

سوال:۔ انکل پرویز آپ اتنے ذہین ہیں اور اتنے کارنامے انجام دے چکے ہیں لیکن خان آفریدی جو کہ سیکرٹ سروس کے چیف ہیں صرف آرڈر ہی دیتے ہیں خود کیوں نہیں آگے بڑھتے؟

جواب:۔ ہر آدمی کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ خان آفریدی زیادہ تر دفتری کام کرتے ہیں اور میں آؤٹ ڈور..... بہرحال کبھی ان کو بھی میدان میں کھینچ کر لایا جائیگا۔

محمد نصر اللہ صدیقی کاشی — لانڈھی کراچی

سوال:۔ سدو بھائی! اگر کسی موقع پر آپ گھبراہٹ میں دشمن پر اُلٹی غلیل چلا دیں۔ یعنی ٹھڈا دشمن کی طرف تو آپ کا کیا بنے گا؟

جواب:۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ بات ایک ہی ہے۔ بس یُوں سمجھ لیجیے۔ فلیلے کے چھیتڑے اڑ جائیں گے۔

عدنان قریشی — نوشہرو فیروز

سوال:۔ کرنل صاحب اگر ملک میں آپ جیسے فرض شناس افراد موجود ہوں تو کیا ہو؟

جواب:۔ خوشحالی۔ امن و امان۔ سکون و عافیت۔

محمد ارشد صدیقی — کراچی

سوال:۔ شکیل انجم صاحب۔ پہلے آپ کہتے تھے کہ ہر ماہ دو کتابیں لکھوں گا مگر یہ کیا کہ اب ایک ساتھ چار ناولیں آ رہی ہیں؟

جواب:۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے تمام کام مجھے کرنا پڑتا تھا کتاب لکھنا، چھپوانا اور تقسیم وغیرہ۔ لیکن اب میری ناولیں کتابیات پبلیکیشنز کے تحت شائع ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اب میرے پاس صرف کتابیں لکھنے کا کام باقی رہ گیا ہے اس لئے دو سے زیادہ ناولیں لکھ سکتا ہوں۔

ریاض احمد قریشی — حیدر آباد

سوال:۔ سدو بھائی آپ جب گوریلوں کے سردار بنے تھے تب آپ کیا محسوس کر رہے تھے؟

جواب :۔ ہم سوچ رہے تھے کہ جس طرح یہ گوریلے ہمارے دوست بن گئے ہیں اس طرح پوری دُنیا کے لوگ آپس میں دوست اور ہمدرد بن جائیں۔

سوال :۔ کرنل پرویز جب آپ کو واش برین سیل میں لے جایا گیا تو آپ کیا سمجھ رہے تھے؟

جواب :۔ ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ خدا ہر حال میں اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

عامر ارشد ناظم آباد کراچی۔

سوال :۔ کرنل پرویز صاحب! آپ کیسے خالو ہیں کہ سدو بھائی کو پڑھاتے نہیں حالانکہ وہ چار دفعہ میٹرک میں فیل ہو چکے ہیں اور سنا ہے کہ پانچویں بار بھی فیل ہونے کا ارادہ ہے؟

جواب :۔ آج کے دور میں اپنے بچوں کو پڑھانا بھی مشکل ہو گیا ہے ویسے گھر کے بچے گھر والوں سے مشکل ہی سے پڑھتے ہیں۔

سوال :۔ شکیل انجم صاحب! آپ بھی اشتیاق احمد کی طرح انعامات کا اعلان کر کے بچوں کو انعام کے لالچ میں ناول پڑھنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ آپ نے سالگرہ نمبر میں ذہنی آزمائش میں حصّہ لینے کے لئے شرط رکھی ہے کہ چھپا ہوا خاکہ استعمال کریں۔ ظاہر ہے ناول سے صفحہ کاٹنے کے لئے ناول تو خریدنا پڑیگا۔

جواب :۔ عامر ارشد صاحب! آپ نے غور نہیں فرمایا۔ ذہنی آزمائش میں شرکت کوئی فیس نہیں رکھی گئی۔ کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ ناول تو بکتے ہی رہتے ہیں۔ محض دلچسپی کی خاطر یہ سلسلہ شروع

کیا ہے۔ نیز یہ کہ ساتھیوں میں قوتِ فیصلہ، ذہنی ورزش اور سوچ کی قوت پیدا ہو۔

باقر علی مکران

سوال :۔ شکیل انجم صاحب! کرنل پرویز سیریز کا ایک کردار بی۔ بی سی کے پروگرام "شاہین کلب" سے لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب :۔ میں بی۔ بی۔ سی کے پروگرام نہیں سنتا۔ مصروفیت اتنی ہے کہ اپنے ہی ملک کے پروگرام سننے کا موقع نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کرنل پرویز سیریز کے کسی کردار کا نام بی۔ بی۔ سی کے کسی پروگرام سے ملتا ہو۔ اور یہ اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھئے نا۔ آپ کا نام باقر علی ہے۔ یہاں کراچی میں بے شمار باقر علی ہیں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان لوگوں نے آپ کے نام کی نقل کر لی ہے۔ بات تو اپنی اپنی شخصیت اور خصوصیات کی ہوتی ہے۔ کرنل پرویز سیریز کے ہر کردار کی اپنی ایک انفرادیت ہے۔

فرید احمد شاہی بازار حیدر آباد

سوال :۔ انسپکٹر لاشاری صاحب! اگر آپ کو کرنل پرویز صاحب ملک سے غداری کرنے کے لئے کہیں تو کیا آپ کرنل صاحب کا حکم مانیں گے یا ایک محبِ وطن شہری کا کردار ادا کریں گے؟

جواب :۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے مگر کرنل پرویز ملک و قوم کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتے لہٰذا ماننے نہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال :- سدو بھائی - اگر آپ روبوٹ ہوتے تو کیا آپ کی طبیعت احمقانہ ہوتی یا سنجیدہ ؟

جواب :- کون کہتا ہے ہم احمق ہیں - خبردار جو آئندہ ہمیں احمق کہا - اور ہاں ، روبوٹ تو ایک مشین ہے - اس پر کوئی کیفیت طاری نہیں ہو سکتی -

آسن داس
بیلہ لسبیلہ

سوال :- سدو بھائی چپکے سے کان میں بتا دیں کہ آخر اتنی بار فیل ہونے کی وجہ کیا ہے - ؟

جواب :- آپ کی بددعائیں ہمیں کھا گئی ہیں -

سوال :- کرنل پرویز - کیا جس دن آپ کی شادی ہوئی تھی اس دن تو کوئی کیس نہیں آگیا تھا ؟

جواب :- جی ہاں ! زندگی کا سب سے بڑا کیس سامنے آیا تھا -

جاوید سلطان
لانڈھی کراچی

سوال :- سدو بھائی آپ نے ہم گوریلوں کی " ڈینجر پلان " میں خوب سرداری نبھائی - اب ہم پھر آ رہے ہیں - لیکن اب آپ کو سردار نہیں " مرحوم " بنانے کے لئے آ رہے ہیں -

جواب :- آپ کا سوال ہے یا گورکھ دھندا - بہرحال یہ جان کر خوشی ہوئی کہ گوریلا حضرات بھی ہماری کتابیں پڑھتے ہیں - ویسے آپ ضرور آئیے - ہماری غلیل بھی بہت دنوں سے بیکار پڑی ہے "-

ایم فرید
کھائی روڈ - حیدرآباد سندھ

سوال :- کرنل پرویز صاحب ! اگر آپ شرلاک ہومز کے بھائی ہوتے

تو آپ کس طرح کیس کو ڈیل کرتے ؟

جواب :۔ جس طرح بھائی شرلاک ہومز ڈیل کرتے تھے۔

سوال :۔ سدو بھائی ۔ ڈینجر پلان میں جب آپ کو گوریلوں نے پکڑا تو آپ کی کیا حالت ہوئی تھی ؟

جواب :۔ مزے آرہے تھے ۔

سوال :۔ کرنل پرویز صاحب ! اگر آپ صدر محترم ہوتے تو آپ قاتلوں مجرموں اور اسمگلروں کو پکڑنے کے لئے کیا کیا کام کرتے ؟

جواب :۔ سب سے پہلے پولیس کا محکمہ توڑ دیتے اور ایک متبادل محکمہ قائم کرتے جس کا نام ہوتا محکمہ مددگار اور سپاہی کو مددگار کہا جاتا۔

علی عمران حیدر آباد سندھ

سوال :۔ کرنل پرویز صاحب ! آپ دنیا میں تو جاسوسی کرتے ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ جنت میں بھی جاسوسی کریں گے ۔ کیا خیال ہے ۔ کریں گے جاسوسی ؟

جواب :۔ ضرور کریں گے اور جو لوگ چور دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے اُنہیں گرفتار کریں گے ۔

حبیب احمد ہری پور ہزارہ

سوال :۔ دادی اماں ! آپ سدو بھائی کو پانچویں دفعہ فیل ہونے پر کیا انعام دیں گی ؟

جواب :۔ پانچ جوتے ۔

رخشی محمود آباد نمبر ۶ کراچی

سوال :۔ سدو بھائی خدا کے لئے اب تو میٹرک میں پاس ہو جائیں ۔

جواب :۔ اجی اپنی فکر کریں ۔ آپ کا نتیجہ بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔

ملک کے مشہور و مقبول مصنف شکیل انجم



کے ہنگامہ پرور، سنسنی خیز، پُر مزاح



سسپنس جاسوسی و مہم جوئی

سے بھرپور ناول

نوٹ کر لیجیے

شکیل انجم پبلیکیشنز کے ناول نہ صرف بچوں میں بے حد مقبول ہیں بلکہ خاندان کا ہر فرد دلچسپی سے پڑھتا ہے

اس ماہ کے سنسنی خیز ناول

۱۳۔ آدھا آدمی	کرنل پرویز سیریز	قیمت =/۶ روپے
۱۴۔ بینک کا اغوا	"	قیمت =/۶ روپے
۱۔ آخری حربہ	قابوط سیریز	قیمت =/۶ روپے
۲۔ ڈاکٹر ڈیڈ	"	قیمت =/۶ روپے

آئندہ ماہ کے ہنگامہ خیز ناول

۱۵۔ شیشے کا انسان	کرنل پرویز سیریز	قیمت =/۶ روپے
۱۶۔ چاند کا اغوا	"	قیمت =/۶ روپے
۳۔ مفرور مجسمہ	قابوط سیریز	قیمت =/۶ روپے
۴۔ آنکھ کی واپسی	"	قیمت =/۶ روپے

کتابیات پبلیکیشنز

پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱